اندلسی ادب کے بنیادی مصادر

ڈاکٹر احسان الحق

یہ بات تاریخی طور پر معلوم ہے کہ علمائے اندلس اپنے علوم و آداب اور تاریخ کی تدوین کی طرف دیر سے متوجہ ہوئے ۔ چنانچہ کسی اندلسی عالم کی پہلی معلوم کتاب ,, کتاب القضاۃ بقرطبۃ،، ہے۔ جس کے مؤلف محمد بن حارث الخشنی المتوفی ۳٦۰ ھ ہیں ۔ یہ اصلاً اندلسی نہ تھے بلکہ ان کا تعلق قیروان تونس سے تھا ۔ انہیں علم وادب کے شائق خلیفہ حکم المستنصر بن عبدالرحمن الناصر نے قرطبہ آنے کی دعوت دی تھی ۔ حکم کی لائبریری (مکتبہ مستنصریہ) چار لاکھ کتابوں پر مشتمل تھی ۔ علوم و آداب کے تمام ہی موضوعات پر اس میں کتابیں موجود تھیں ۔ اس عہد میں قرطبہ اطراف واکناف عالم کا ثقافتی مرکز تھا ۔ خلیفہ نے محمد بن حارث الخشنی کو تصنیف وتالیف کی جملہ سہولتیں مہیا کیں ۔ اور خلیفہ ہی کی خواہش پر الخشنی نے ,,کتاب القضاۃ،، تالیف کی (۱) ۔ اسی عہد کی دوسری مشہور تالیف ,,تاریخ افتتاح الاندلس،، ہے۔ اس کے مؤلفؒ مشہور اندلسی الاصل عالم ابوبکر محمد القرطبی المعروف بابن القوطیہ المتوفی ۳٦۷ھ ہیں ۔ یہ کتاب فتح اندلس سے ۳۰۰ ھ امیر عبداللہ اموی اندلسی کی وفات تک کی تاریخ پر مشتمل ہے۔ ابن القوطیہ عربی زبان وادب کے بڑے عالم تھے ۔علوم دینیہ سے بھی شغف تھا ۔ البتہ بعض تاریخی روایات کے بیان میں احتیاط کا دامن چھوڑ

دیتے ھیں اور اپنی قوم اندلسیوں قوطیوں کے ذکر میں پرجوش ھو جاتے ھیں ۔ اور اھل عرب کی تنقیص سے نہیں چوکتے ۔ چنانچہ اندلسی بادشاھوں کی عظمت کا دل کھول کر ذکر کرتے ھیں جب کہ عرب حکمرانوں کو ان کا صحیح مقام دینے میں بخل سے کام لیتے ھیں ۔ تاریخ افتتاح الاندلس کے بارے میں یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس کی نسبت ابن القوطیہ کی طرف درست نہیں بلکہ یہ ان کے کسی شاگرد کی تصنیف ہے ۔ کیونکہ کتاب میں جابجا یہ عبارات ملتی ھیں ۔ قال شیخنا ابوبکر اور قال ابن القوطیہ ۔ اس شبہ کو مزید تقویت اس بات سے بھی ملتی ہے ۔ کہ ابن الفرضی نے اپنی مشہور معجم ,,تاریخ العلماء والرواۃ للعلم بالاندلس ،، میں ابن القوطیہ کی تصنیفات میں اس تصنیف کا ذکر نہیں کیا (۲) ، جبکہ ابن الفرضی موصوف کا شاگرد تھا ۔

ادب اندلسی اور تاریخ اندلس کے ابتدائی مصادر میں اگر ھم غوروفکر کریں ۔ تو ایک بڑا نام احمد بن عبد ربہ المتوفی ۳۲۸ ھ کا ہے ۔ ان کی مشہور تصنیف ,,العقد الفرید،، آج بھی اپنے موضوع پر اھل علم کا مرجع ہے ۔ اگرچہ یہ مشرق کے ادبی و فکری سرمایہ کا خزینہ ہے ۔ اور اندلس اس کا موضوع نہیں ہے ۔ تاھم مصنف اندلس کے خلفا اور ان کی علمی خدمات کا تذکرہ متعدد مقامات پر کرتے ھیں(۳)

اس عہد کے چند اور اھم مؤلفین میں احمد بن محمد الرازی المعروف ابن لقیط الکاتب المتوفی ۳۴۴ ھ ھیں ۔ جنھوں نے ,,وصف الاندلس،، لکھی اور عریب بن سعد القرطبی کا ہے جنھوں نے ,,مختصر تاریخ الطبری،، کے ساتھ تاریخ المغرب والاندلس کا اضافہ کیا ۔ اسی طرح عیسی بن احمد الرازی القرطبی کی ,,تاریخ الاندلس،، اور ابوالولید عبداللہ بن محمد بن یوسف الازدی القرطبی المتوفی ۴۰۳ھ

کی ,,تاریخ علماء الاندلس،، اور ابن الفرضی کی تاریخ العلماء والرواۃ للعلم بالاندلس،، قابل ذکر ھیں ۔ ان اواخر الذکر کتابوں میں ابن الفرضی کی کتاب کو چھوڑ کر باقی کتابیں مفقود ھیں صرف ان کے نام اور تذکرے ملتے ھیں (۴) ۔ ابن الفرضی کے اندلسی ھونے اور مذکور کتاب کی ان کی طرف نسبت میں کوئی شک نہیں ۔ مؤلف دقیق مؤرخ ، علوم حدیث و فقہ کے حافظ ، ادیب و شاعر اور قاضی تھے ۔ اس کے علاوہ آپ کی تصانیف میں ,,المؤتلف والمختلف ،، اور ,,المتشابہ فی أسماء الحدیث وکناھم،، اور اخبار شعراء الاندلس،، قابل ذکر ھیں (۵) ۔ تیسری صدی ھجری کے مؤلفین میں عبدالملک بن حبیب الالبیری المتوفی ۲۳۸ھ کا نام بھی قابل ذکر ہے ۔ ان کی کتاب ,, کتاب خلق الدنیا،، ہے ۔ جو مصنف کی نسبت سے ,,تاریخ عبدالملک بن حبیب الالبیری ،، بھی کہلاتی ہے ۔ عبدالملک بن حبیب اندلسی تھے ، طلب علم میں مصر آئے اور طویل عرصہ تک فسطاط میں علمائے مصر سے کسب فیض اور مذکور کتاب کی تالیف کی ۔ آخری ایام میں قرطبہ واپس چلے گئے ۔ اور وھیں وفات پائی (٦) ۔

تیسری اور چوتھی صدی ھجری کے ان ابتدائی مصادر کے بعد ادب اندلسی اپنے دور عروج میں داخل ھوتا ہے ۔ بعد کی چار صدیوں کے مصادر پر نظر ڈالنے سے معلوم ھوتا ہے کہ ادبی تالیفات کی دو واضح قسمیں ھو جاتی ھیں ۔

۱ ۔ خالص ادبی تالیفات

۲ ۔ کتب تاریخ وتراجم

پہلی قسم کی تالیفات میں مؤلفین صرف ادباء اور ان کی تخلیقات شعریہ ونثریہ اور ذاتی حالات بیان کرتے ھیں ۔ اور اس قسم

کی تالیفات بہت کم ہیں ۔ جبکہ دوسری قسم کی تالیفات جن کا موضوع بنیادی طور پر تاریخ و تراجم ہے ، نصوص شعریہ اور تذکرہ ہائے شعراء سے بھری ہوئی ہیں ۔ کیونکہ ان کے مؤلفین بادشاہ و امراء، وزراء اور قضاۃ بیشتر ادیب ہوتے تھے ۔ لہذا وہ تاریخ و تراجم بیان کرتے ہوئے شخصیات کے ادبی پہلوؤں سے صرف نظر نہیں کر سکتے تھے ۔ اس قسم کی اندلسی ادبی تالیفات کی تعداد نسبتاً بہت زیادہ ہے ۔ ابو نصر الفتح بن خاقان المتوفی ۵۲۹ ھ کی قلائد العقیان اور مطمح الانفس اور ابو الحسن علی بن بسام الشنترینی المتوفی۵۴۳ھ کی ,, الذخیرہ فی محاسن اھل الجزیرۃ،، اور ابوالحسن علی بن موسی بن سعید المتوفی ٦٨٥ ھ کی ,,اَلْمُغْرِبْ فی حلی المَغْرب ،، اور لسان الدین ابن الخطیب المتوفی ٧٧٦ھ کی الکتیبۃ الکامنۃ فی شعراء المائۃ الثامنۃ اور احمد المقری المتوفی ۱۰۴۱ھ کی نفح الطیب اس دوسری قسم کی تالیفات کی بہترین مثالیں ہیں ۔ مقری کی نفح الطیب نے اندلسی ادب و شعر کا کمیت و کیفیت کے لحاظ سے سب سے زیادہ احاطہ کیا ہے ۔ لہذا ان تصنیفات میں یہ ممتاز مقام رکھتی ہے ۔ اندلسی ادب کے ان بنیادی مصادر کا مختصر تعارف پیش کیا جاتا ہے ۔

۱ ۔ قلائد العقیان اور مطمح الأنفس :

اس کتاب میں فتح ابن خاقان نے اپنے ۵۸ ہم عصر شعراء، وزراء، رؤساء اور امراء کا تذکرہ کیا ہے اور ان کے شعری ونثری نمونے پیش کئے ہیں ۔ مؤلف نے اپنی کتاب کی تالیف میں نہایت دلچسپ بلکہ شاطرانہ طریقہ اختیار کیا ۔ اس نے تمام بادشاہوں ، وزراء اور اعیان سلطنت کو خطوط بھیجے کہ وہ ایک عظیم ادبی تالیف کا ارادہ رکھتا ہے ۔ لہذا وہ اسے اپنے شعری اور نثری منتخبات بھیجیں ۔ چنانچہ

جن شخصیتوں نے اپنے ادبی کارنامے مؤلف کو مال و اسباب اور تحائف کے ساتھ ارسال کئے ۔ مؤلف نے ان کی خوب خوب مدح کی اور جنہوں نے بخل سے کام لیا ان کی خوب مذمت کی ۔ ابوبکر بن باجه المعروف ابن الصائغ جیسے لائق و فائق وزیر کو عرش سے فرش پر پھینک دیا ۔ کیونکه اس نے اس کے خط کو درخور اعتنا سمجھا ، اور نه اس کے ساتھ احسان کا معامله کیا (۷) ۔ اس کے برعکس اس نے ابوالعلا بن صهیب جیسے گم نام کی تعریف کرکے اسے ابن باجه کا هم پلّه بنا دیا ۔ کیونکه ابوالعلا نے اسے خوب نوازا تھا ۔ فتح ابن خاقان کی اس کمزوری کے باوجود کتاب کی ادبی اهمیت کم نهیں هوتی ۔ یه پانچویں صدی هجری کے نصف ثانی اور چھٹی صدی هجری کے نصف اول کے اندلسی شعراء کے حالات وادبی خدمات کی بهترین دستاویز ہے ۔ فتح نے اپنی اس کتاب کو چار حصوں میں تقسیم کیا ہے ۔

پهلا حصه ملوک و رؤساء کے لئے مختص ہے جس میں معتمد ابن عباد اور المتوکل المظفری جیسی شخصیات اور ان کی ادبی خدمات کا تذکره ملتا ہے ۔

دوسرا حصه وزراء کا ہے ۔ جس میں ابوالولید احمد بن زیدون ، ابوبکر بن عمار اور ابوالحسن بن الحاج جیسے چوٹی کے شعرا کا ذکر ہے ۔

تیسرا حصه علماء و فقهاء اور قضاۃ کے لئے ہے جن میں ابوامیه ابراهیم بن عصام قاضی مشرق اور امام الحافظ ابوبکر بن عطیه جیسے ائمه کا ذکر ملتا ہے ۔

چوتھا اور آخری حصه ان بلند پایه شعراء اور شخصیات کے لئے مختص ہے جن کے علمی کارناموں میں ادب کا پهلو نمایاں ہے ۔ ان

میں ابواسحاق بن خفاجه ، ابوبکر الدانی المعروف ابن اللبانه اور ابو محمد بن ساره الشنترینی قابل ذکر هیں ۔

مطمح الأنفس ومسرح التأنس فی مدح اهل الاندلس :

یه طویل نام فتح بن خاقان کی دوسری تالیف ہے ۔ یه ۹۶ (چھیانوے) شعراء کے تذکره پر مشتمل ہے ۔ اس کی خصوصیت یه ہے که یه کسی زمنی عرصه پر محدود نهیں ہے ۔ مؤلف ان تمام شعراء کا تذکره کرتا ہے ۔ جو سرزمین اندلس میں کسی بھی عهد میں گزرے هوں ۔ چنانچه اس کتاب میں همیں احمد بن عبد ربه کا تذکره ملتا ہے ۔ جو تیسری صدی هجری کی شخصیت هیں ۔ اور فقیه منذر بن سعید البلوطی ، ابو عمر یوسف بن هارون المعروف بالرمادی اور محمد بن هانی کا تذکره جو چوتھی صدی هجری کی شخصیات هیں ۔ اس کتاب میں اور قلائد العقیان میں فرق یه ہے ۔ که قلائد ایک خاص عهد تک محدود ہے جبکه مطمح میں کسی خاص عهد کی پابندی نهیں ہے ۔ بلکه شاعر کے شعری سفر کے آغاز اور اندلس میں اس کی شهرت کے پهلو کو پیش نظر رکھا گیا ہے ۔ مؤلف اپنی اس کتاب کو تین اجزاء میں تقسیم کرتا ہے ۔ پهلا جز غرر الوزراء و تناسق درر الکتاب والبلغاء " ہے ۔ دوسرا جز ,, محاسن أعلام العلماء وأعیان القضاة والفقهاء "ہے ۔ اور تیسرا جز سرد محاسن الادباء النوابغ النجباء پر مشتمل ہے ۔ کتاب مطمح الأنفس اپنے حجم میں مختصر هونے کے باوجود نادر معلومات اور قصائد پر مشتمل ہے ۔ اس کتاب کی تدوین میں فتح بن خاقان میدانی تحقیق (Field Study) کے ماهر کے طور پر ابهرتے هیں اور ان کی دی هوئی معلومات تاریخی اهمیت اختیار کر جاتی هیں ۔ جو همیں کسی دوسرے اندلسی ادبی مصدر میں نهیں ملتیں ۔ دونوں کتابوں کے ظاهری عیوب میں نمایاں یه ہے که مؤلف

شعراء کے تذکرہ میں ان کی تاریخ پیدائش و وفات کا اهتمام نہیں کرتے (۸) ۔

الذّخیرة فی محاسن اهل الجزیرة :

علماء اندلس کی مشہور ترین تالیفات میں کتاب ,,الذخیرة،، کا شمار ہوتا ہے۔ اس کے مؤلف علی بن بسام الشنترینی ہیں ۔ شنترین مغربی اندلس کا ایک حصہ ہے۔ جو مؤلف کا مولد و مسکن تھا ۔ اب یہ شہر سنتریم(Santarem)کہلاتا ہے ۔ ابن بسام نے مسیحی ہسپانیوں کے حملوں سے تنگ آکر اپنا خوبصورت شہر چھوڑا اور اشبیلیہ قیام پذیر ہوا ۔ جہاں یہ عظیم کتاب تالیف کی اور یہیں ۵۴۲ھ میں وفات پائی ۔ ابن بسام نے اشبیلیہ میں پر مشقت اور محرومی کا دور دیکھا ۔ اس لئے کہ اشبیلیہ علم دوست شہر نہ تھا ۔ (قرطبہ کے برعکس) ۔ مؤلف کو طرح طرح کے حاسدین اور سازشیوں سے واسطہ رہا ۔ جبکہ اس نے اپنے آبائی شہر میں نہایت آرام و راحت کا وقت گزارا تھا ۔

الذخیرہ کی خصوصیات :

یہ کتاب صرف پانچویں صدی ہجری کے شعری و نثری ادب اور شعرا کے حالات سے بحث کرتی ہے۔ یہ صدی اندلسی ادب و ثقافت کے عروج کی صدی تھی ۔ لہذا ابن بسام نے اپنی تالیف کو صرف اس صدی کے شعرا و ادبا کے تذکرہ تک محدود رکھا ۔ فتح کی قلائد العقیان کے مقابلہ میں ابن بسام الذخیرہ میں زیادہ وسیع النظر اور گہری تحقیق کا حامل نظر آتا ہے ۔ آراء و نتائج کے اظہار میں موضوعیت کا دامن ہاتھ سے نہیں جانے دیتا ۔ اس کتاب کی پہلی خصوصیت یہ ہے کہ یہ تاریخ و ادب کا حسین امتزاج پیش کرتی ہے۔ تاریخ و ادب ایک دوسرے کے مقاصد کی تکمیل کرتے نظر آتے ہیں

گویا یہ کتاب تاریخ کے محقق اور ادب کے شائق کی یکساں ضرورت ہے۔ تنقیدی نظر سے دیکھا جائے تو صاف طور پر محسوس ہوتا ہے کہ ابن بسام اندلسی ادیبوں اور شاعروں کو مشرق کے شعرا و ادباء پر بے جا طور پر فوقیت دیتے ہیں ۔ جب کہ اندلس کے آسمان میں بعض ستاروں کی چمک کے باوجود مشرق کے شعراء کی عظمت اور ان کے اساتذہ ہونے میں کوئی شک نہیں ۔ مشارقہ سے ابن بسام کے اس تعصب کے باوجود الذخیرہ کا آخری باب ان شعراء و ادباء کے لئے ہے جو مشرق سے اندلس آئے اور انہوں نے یہاں عارضی یا مستقل قیام کیا ۔ بلکہ اس سے آگے بڑھ کر ابن بسام ان مشارقہ کا ذکر کرتا ہے۔ جن کے قدموں نے ارض اندلس کو سرے سے نہیں چھوا ۔ ان حضرات کے تذکرہ میں ابن بسام پانچویں صدی ہجری میں محدود رہنے کی شرط بھی اپنے لئے نرم کر لیتا ہے اور چوتھی صدی ہجری کے شریف رضی ، مہیار الدیلمی اور ابو منصور ثعالبی کا تذکرہ کھلے دل کے ساتھ کرتا ہے۔ منہجی نقطۂ نظر سے ابن بسام کا یہ انداز کتنا ہی معیوب کیوں نہ ہو علمی لحاظ سے یہ بہت مفید ثابت ہوا کہ مشرقی ادباء و شعراء کا تذکرہ کثیر صفحات میں محفوظ ہو گیا (۹) ۔

ابن بسام مشارقہ کی تنقیص کے باوجود ان سے متأثر نظر آتا ہے چنانچہ الذخیرہ کی ترتیب و تدوین ثعالبی کی یتیمہ الدھر کی تصویر ہے۔ ثعالبی نے اپنی کتاب کو چار اجزا میں تقسیم کیا ۔ پہلا جز شام (آل حمدان) موصل، مصر ، مراقش، اور اندلس کے شعراء و ادباء پر مشتمل ہے۔ دوسرا جز اھل عراق اور دیلمی سلطنت کے شعراء و ادباء پر مشتمل ہے ۔ تیسرا باب جرجان و طبرستان واصفہان کے وزراء ومصنفین قضاۃ اور شعراء پر مشتمل ہے ۔ اور چوتھے جز میں اھل خراسان وماوراء النہر کے ادباء کا تذکرہ ہے ۔

ابن بسام الذخیرہ میں یہی منہج اپنائے ہوئے کتاب کو چار ابواب میں تقسیم کرتے ہیں ۔

پہلا باب قرطبہ اور وسطی اندلس کے شعراء و ادباء کے حالات اور ان تاریخی واقعات کے لئے مختص ہے جو ان علاقوں میں وقوع پذیر ہوئے ۔

دوسرا باب مغربی اندلس پر ہے۔ جس میں اشبیلیہ اور اس سے متصل بحر روم کے ساحل کے علاقوں کا احاطہ کیا گیا ہے۔ تیسرا باب مشرقی اندلس کے لئے اور چوتھا باب اندلس میں پانچویں صدی میں وارد ہونے والے شعراء و ادباء کے لئے مخصوص ہے۔ اسی باب میں ان افریقہ و شام وعراق کے شعراء وادباء کا بھی تذکرہ ہے جن کے قدم ارض اندلس تک نہیں پہنچے لیکن ان کی شہرت آسمان اندلس تک ضرور پہنچی اور وہ وہاں کی ادبی وشعری محافل کا موضوع سخن رہے ۔ بہرحال قلائد العقیان اور مطمح الأنفس کی طرح الذخیرہ بھی اندلسیات کے بنیادی مصادر میں سے ہے۔ بعد کے مؤلفین نے ان سے استفادہ کیا صرف کتاب ,,المُغْرِبْ فی حلی المغرب،، نے تقریباً نوے سے زائد مقامات پر الذخیرہ کا حوالہ دیا ہے (۱۰) ۔

اَلْمُغْرِبْ فی حُلَی الْمَغْرِب :

اندلس کی ادبی تراث میں یہ تالیف اپنی نوعیت کے اعتبار سے منفرد تالیف ہے۔ اس کتاب نے شرق و غرب اندلس بلکہ ہر چھوٹے بڑے شہر کے امراء و وزراء ، مؤلفین و شعراء ، فقہاء و زھّاد کے حالات و علمی خدمات کو جمع کر دیا ہے۔ دلچسپ امر یہ ہے کہ اس کتاب کی تالیف ایک سو پندرہ سال میں ہوئی ۔ یہ کسی ایک عالم کی تصنیف نہیں بلکہ چھ علماء کی کاوشوں کا نتیجہ ہے۔ جن میں سے چار یکے بعد دیگرے وزیر تھے ۔ پہلے مؤلف ابو محمد عبداللہ

الحجاری ھیں ، اور باقی پانچ کا تعلق آل سعید سے ہے۔ ان میں پہلے فرد عبدالملک بن سعید ھیں ان کی کوششوں کو ان کے دو بیٹوں ابو جعفر احمد اور محمد نے جاری رکھا ۔ پھر موسی بن محمد اور علی بن موسی نے اس عظیم تالیف کو پایۂ تکمیل تک پہنچایا ۔ یہ اپنی نوع کی منفرد تالیف اس اعتبار سے ہے کہ خاندان کے ایک فرد نے اسے شروع کیا پھر بیٹوں اور پوتوں نے اسے تکمیل تک پہنچایا ۔ اس کتاب کی تالیف کا آغاز اس طرح ہوا کہ ابو محمد عبداللہ بن ابراھیم الحجاری جب آل سعید کے گورنر عبدالملک بن سعید کے قریب ہوا اور اس کی مدح میں قصیدہ کہا تو ابن سعید ۔ الحجاری کی ادبی و شعری صلاحیتوں سے اتنا متأثر ہوا کہ اس نے یہ خواھش کی کہ لطیف اشعار اور اچھوتی نثر کا ایک مجموعہ مرتب کیا جائے ۔ چنانچہ الحجاری نے ابن سعید کے لئے ,,المسھب فی غرائب المغرب ،، کتاب لکھی جسے اس نے فتح اندلس سے شروع کرکے اپنے عہد ۵۳۰ ھ تک مکمل کیا (۱۱) ۔ چنانچہ عبدالملک بن سعید نے اسے پسندیدگی کی نظر سے دیکھا ۔ پھر اس کے دل میں خیال آیا کہ اس تالیف کو وسعت دی جائے اور الحجاری سے جو کچھ چھوٹ گیا ہے اسے بھی اس میں شامل کر دیا جائے ۔ یہ کام جاری ھی تھا کہ عبدالملک بن سعید کا انتقال ھو گیا ۔ پھر اس کے بیٹوں اور پوتوں نے اس علمی کاوش کو جاری رکھا ۔ اور یوں تقریباً ۶۵۲ ھ میں اس عظیم تالیف کی تکمیل علی بن موسی کے ھاتھوں انجام پائی ۔ عبدالملک بن سعید کی اولاد میں علی بن موسی اور ان کے والد موسی بن محمد کا حصہ سب سے زیادہ رھا ۔

اَلْمُغْرِبْ کی خصوصیات :

کتاب کا وہ حصہ جو اندلسی ادب سے بحث کرتا ہے۔ اٹھارہ ابواب میں تقسیم ھوتا ہے ۔ ھر باب ایک ,,مملکۃ،، کہلاتا ہے ۔ مثلاً

,,الحلّة المذهبة فی حلی مملکة قرطبة ،، گویا ہر بڑے شہر کے ادباء و شعراء و دیگر علمی شخصیات کے لئے ایک باب مخصوص ہے۔ اس کے بعد ہر مملکت متعدد ضلعوں میں تقسیم کی گئی ہے۔ جیسے الحلة الذهبية فی الكورة القرطبية ،، یا ,,الكواكب الدرية فی حلی كورة القبرية ،، پھر ہر ضلع کی بھی ذیلی تقسیمیں کیں۔ مثلاً الكورة القرطبية کے تحت الصبيحة الغرّاء فی حلی حضرة الزهراء اور البدائع الباهرة فی حلی حضرة الزاهرة وغیرہ ذیلی عنوانات ہیں۔

اندلسیات کے ساتھ ساتھ کتاب کا ایک جز افریقہ کے لئے اور ایک مصر کے لئے مخصوص ہے اور ان علاقوں کے بلاد و امصار کے شعراء و ادباء کا تذکرہ بھی اسی شرح و بسط کے ساتھ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ اہل اندلس کا۔ اس عظیم تالیف میں ۶۴۷ اندلسی شعراء کا تذکرہ ہے۔ جن کا تعلق عبدالرحمن الداخل کے عہد سے لیکر علی بن موسی کتاب کے آخری مؤلف کے عہد تک ہے۔ گویا یہ دوسری صدی ہجری سے ساتویں صدی ہجری تک کے علمی و ادبی وشعری اندلس کا مرقع ہے۔ کتاب اپنی زمانی اہمیت کے ساتھ ساتھ وسعت مکانی میں اندلس کے کونہ کونہ بلکہ اندلس سے متصل جزیرے میورقہ اور منورقہ تک کے شعراء و ادباء کا احاطہ کرتی ہے (۱۲)۔

مؤلفین نے اندلس کے ان شہروں پر جو علم و ادب کا مرکز تھے خصوصی توجہ کی۔ مثلاً قرطبہ کے ۱۵۷ ، اشبیلیہ کے ۹۷ ، البیرہ کے ۶۹ اور طلیطلہ کے ۴۰ شعرا کا تذکرہ کیا۔ ان شعراء کا تعلق مختلف طبقات سے تھا ، مثلاً والیان سلطنت میں معتضد بن عباد اور اس کا بیٹا معتمد بن عباد متوکل بن مظفر اور معتصم ابن صمادح جیسے شعراء و ادباء ہیں۔ وزراء میں ابن زیدون ، ابن عمار اور ابن عبدون جیسی ادبی شخصیات ہیں۔ شعراء و ادباء کے علاوہ علمائے لغت و

طب ، موسیقاروں، زاهدوں اور فقیہوں کا تذکرہ بھی ہے ۔ مؤلفین نے اهل علم خواتین کے تذکرے سے بھی غفلت نہیں برتی ۔ مثلاً حمدونه بنت زیاد، ولاّدة بنت المستکفی ، مهجه بنت التیانی ، نزهون بنت القلاعی جیسی بلند پایه شعرا خواتین کا تذکره ملتا ہے ۔ مسلمانوں کے علاوه غیر مسلم ادیبوں اور شاعروں سے بھی صرف نظر نہیں کیا گیا ۔ اسحاق بن شمعون الیهودی ، حسدای بن یوسف بن حسدای الاسرائیلی اور قسمونه بنت اسماعیل الیهودیة کا تذکره موجود ہے ۔ نصاری میں ابن المرعزّ الاشبیلی اور ابن غرسیه جیسے نثرنگار اور شعراءهیں ۔ غرضیکه یه کتاب اندلس کے مردوں، عورتوں، عرب و بربر یہود ونصاری، اعیان سلطنت اور عامة الناس کے علمی و ادبی ذوق کی چلتی پھرتی تصویر ہے ۔ یه کتاب اندلس کی ادبی و شعری کارگزاریوں کی سرگزشت هی نہیں بلکه تاریخ کے حوادث انقلابات سیاست اور پرآشوب ایام زمانه کی داستان بھی ہے ۔ اسی طرح یه کتاب اندلس میں اموی حکمرانی ان کے جنگی کارنامے و سفارتی تعلقات ، مرابطین وموحدین کی حکومتیں اور ان کی فتح و شکست کی داستانوں کی تحقیق کا مستند ذریعه ہے ۔ مختلف ملکوں کی جغرافیائی حد بندیوں کی وضاحت نے اسے جغرافیا کے میدان میں بھی اهم بنا دیا ہے ۔

اس کتاب کے مصادر میں الحجاری کی ,,المسهب،، (جو کتاب کی وجه تالیف ہے) ابن حیان القرطبی کی ,,المقتبس،، ابن حزم کی ,,نقط العروس،، اور ابن بسام کی ,,الذخیرة،، فتح بن خاقان کی قلائد العقیان اور مرسی الضبی کی ,,بغیة الملتمس،، اور حمیدی کی ,,جذوة المقتبس،، اور ابن اللّبانه کی ,,سقیط الدّرر ولقیط الزهر،، اور ابن الامام کی ,,سمیط الجمان،، اور ابن دحیه کی ,,المطرب من اشعار

المغرب،، اور ابن غالب کی ,,فرحة الانفس،، قابل ذکر ھیں ۔ مؤلفین مشرقی مراجع سے بھی بلاتکلف استفادہ کرتے ھیں ۔ اس ضمن میں ثعالبی کی یتیمة الدھر اور عماد الاصفہانی کی خریدة القصر اور کمال بن الشعار کی عقود الجمان قابل ذکر ھیں ۔ غرض یہ کہ المغرب فی حلی المغرب اندلس کی ادبی تراث میں نہایت نمایاں مقام رکھتی ہے ۔ یہ وہ واحد کتاب ہے جس میں تین نسلوں کے علماء نے حصہ لیا اور جس کی تالیف سوا صدی تک جاری رھی ۔ ,,المغرب ،، کے علاوہ علی بن موسی کی تالیفات میں رایات المبرزین ، القدح المعلی اور الغصون الیانعہ اھم تالیفات ھیں جو تاریخ ادب اندلس کے بنیادی مصادر میں شمار ھوتی ھیں ۔ رایات المبرزین و غایات المیزین دراصل ,,المغرب،، کا خلاصہ یا منتخب مجموعہ ہے ۔ جو مؤلف نے والی مصر ابن یغمور کی خواھش پر ترتیب دیا تھا ۔ دوسری کتاب ,,القدح المعلی فی التاریخ المحلی ،، کا صرف تذکرہ ملتا ہے ۔ اصل کتاب موجود نہیں ۔ البتہ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ کی ,,اختصار القدح ،، موجود ہے جس سے معلوم ھوتا ہے کہ یہ ستّر ادباء وشعراء کے تذکرہ پر مشتمل تھی ۔ تیسری کتاب ,,الغصون الیانعة فی محاسن شعراء المائة السابعة ،، مؤلف نے ٦٥٧ ھ میں تونس میں لکھی ۔ اور اس وقت کے امیر المستنصر اول محمد بن یحیی الحفصی کو بطور تحفہ پیش کی (۱۳) ۔

کتب تراجم (مختصر تذکروں کی کتابوں) کا ادبی پہلو بھی کسی حیثیت سے کم نہیں ۔ ابن الفرضی کی تاریخ علماء الاندلس پر ابن بشکوال کی تالیف ,,الصلة،، اور ابن الآبار کی ,,الصلة علی التکملة،، اور ابن دحیہ کی المطرب فی اشعار اھل المغرب بھی اندلسی تراث میں بنیادی علمی و ادبی مصادر کا درجہ رکھتی ھیں ۔

اندلسی ادب کے ورثہ کی ایک اور عظیم تالیف لسان الدین ابن الخطیب کی ,,الکتیبة الکامنة فی من لقیناہ بالاندلس من شعراء المائة الثامنة ،، ہے۔ یہ ابن الخطیب کا ,,انسانیات،، کے لئے ایک عظیم تحفہ ہے۔ یہ کتاب ساٹھ ابواب پر مشتمل ہے۔

ابن الخطیب کا پورا نام محمد بن عبداللہ بن محمد بن سعید السلمانی ہے۔ عربی الاصل تھے۔ قبیلہ قحطان سے تعلق تھا۔ غرناطہ کے قریب لوشہ شہر میں ۷۱۳ھ میں پیدا ہوئے اپنے دادا سعید (جو مشہور واعظ اور خطیب تھے) کے لقب خطیب کی وجہ سے ابن الخطیب کہلائے۔ ابن الخطیب نے قرطبہ میں شریعت، فقہ ، علم لغت و نحو تاریخ اور ادب و شعر کی تعلیم حاصل کی۔ پھر علم فلسفہ و طب کی طرف متوجہ ہوئے۔ اور اس میں کمال حاصل کیا۔ ۷۴۱ھ میں والد کی وفات کے بعد ان کی جگہ لیتے ہوئے ، شاہی محل میں دیوان الانشاء میں بحیثیت مؤلف و شاعر جگہ سنبھالی۔ اس وقت ابن الخطیب کی عمر صرف ۲۸ سال تھی۔ جلد ہی انہوں نے اپنی اعلی ادبي و فنی صلاحیتوں کی بنا پر ابو الحجاج یوسف بن اسماعیل کے دربار میں وزیر کا مرتبہ حاصل کر لیا۔ اور تمام اہم قسم کی مہمات اور سفارتی معاملات سنبھال لئے۔ جب ۷۵۵ھ میں سلطان یوسف کا انتقال ہوا اور اس کا بیٹا محمد الغنی باللہ اس کا جانشین ہوا تو اس نے ابن الخطیب کی مزید عزت افزائی کی۔ لیکن جلد ہی محمد الغنی باللہ کے خلاف اس کے بھائی اسماعیل نے بغاوت کر دی۔ چنانچہ سلطان اور اس کا وزیر ابن الخطیب بھاگ کر بلاد مغرب پہنچے جہاں بادشاہ نے ان کی خوب خاطر مدارت کی۔ تقریباً ڈھائی سال بعد اسماعیل بن یوسف کے زوال پر سلطان الغنی باللہ اور اس کا لائق وزیر ابن الخطیب دوبارہ غرناطہ روانہ ہوئے اور حکومت سنبھال

لی ۔ اسی وجہ سے یہ ذوالوزارتین (دو وزارتوں والے) کہلائے ۔ یہ ابن الخطیب کے عروج اور سیاسی کامیابیوں کا دور تھا ۔ لیکن وقت ایک جیسا نہیں رہتا ۔ خود اس کے اپنے شاگرد اور معاون محمد بن یوسف اور ابو عبداللہ بن زمرک الشاعر الوشاح اس کے خلاف ہو گئے ۔ اور ان پر زندقہ والحاد کی تہمت لگائی ۔ یہاں تک کہ ابن الخطیب وزارت و امارت اور غرناطہ چھوڑنے پر مجبور ہو گئے ۔ اور دوبارہ بلاد مغرب (مراقش) چلے گئے ۔ حاسدوں نے اسی پر بس نہ کیا ۔ بلکہ قاضی القضاۃ ابوالحسن النباھی نے ابن الخطیب کی کتابوں کو جلانے کا حکم دیا ۔ اور زندیق و ملحد ہونے کا فیصلہ صادر کرتے ہوئے ان کی پھانسی کا حکم دیا ۔ پھر اس حکم کی تنفیذ کا سلطان مراقش سے مطالبہ کیا ۔ لیکن سلطان نے اس کی پذیرائی نہیں کی ۔ بلکہ یہ اقدام ابن الخطیب کی مزید قدر و منزلت کا باعث بنا (۱۴) ۔ لیکن گردش ایام نے ابن الخطیب کا پیچھا ابھی نہ چھوڑا تھا ، ایک سال بعد ھی سلطان مراقش عبدالعزیز کا (۷۷۴ھ) میں انتقال ہو گیا ۔ اور اس کا نابالغ بیٹا اس کا جانشین ہوا ۔ اور ابن الخطیب سلطان طفل اور اس کے وزیر ابوبکر بن غازی کے ساتھ تلمسان سے فاس منتقل ہو گئے ۔ اور سیاسی امور کے بجائے تصنیف و تالیف میں مشغول ہو گئے ۔ لیکن جلد ھی سلطان طفل سے حکومت چھن گئی نئی حکومت غرناطہ کی حمایت یافتہ تھی ۔ چنانچہ ابن الخطیب کا شاگرد وزیر ابن زمرک انہیں خصوصی طور پر سزا دلانے کے لئے غرناطہ سے مراکش آیا ۔ ابن الخطیب پر الحاد کے ارتکاب کا مقدمہ چلایا گیا ۔ اور سرعام سزا و ایذا دی گئی ۔ نئی حکومت کے وزیر سلیمان بن داؤد نے اپنے بعض مددگاروں کی مدد سے ابن الخطیب کو جیل میں گلا گھونٹ کر قتل کرایا ، اور پھر اگلے دن ان کی لاش جلا دی گئی ۔

اور یوں ٦۷۷ ھ میں تاریخ و سیاست ، وزارت و حکومت اور ادب و شعر کی اس عظیم شخصیت کی زندگی کا باب ختم ھوا ۔ ابن الخطیب نے اندلس کے دیگر شعراء معتمد بن عباد (جب وہ اغمات میں قید تھا) اور ابو عامر شہید (جب وہ لاعلاج مرض میں مبتلا تھا) کی طرح اپنا مرثیہ خود کہا ۔ موت کے انتظار اور زندگی کی ناپائیداری پر اس کے یہ اشعار بقائے دوام پاگئے ۔

بَعُدْنَا وَاِنْ جَاَرَدتنا البیوت
وَ جئنا بوعظ ونحن صُمُوْت
و کنّا عظاما فصرنا عظاما
وکنّا نقوت فها نحن قوت
وکنّا شموس سماء العلا
غربنا فناحت علینا السّموت
وکم سِیق للقبر فی خِرْقَة
فتی مُلِئَتْ مِنْ کساه التّخوت
فقل للعدا : ذهب ابن الخطیب
وفات ، ومن ذا الذی لا یفوت
ومن کان یفرح منهم له
فقل : یفرح الیوم من لایموت (۱۵)

آباد گھروں کی قربتوں کے باوجود ھم ان سے دور ھو گئے ۔
ھم لب کھولے بغیر سراپا عبرت و موعظت بن گئے ۔
ھم ھڈیاں تھے اور ھڈیاں ھو گئے ۔ ھم غذا کھاتے تھے اور اب خود غذا ھو گئے ۔
ھم بلندی کے آسمان کے سورج تھے ۔ جب ھم غروب ھوئے تو آسمان نے ھمارا نوحہ کیا۔

کتنے ھی نوجوان ایک گدڑی میں قبر تک پہنچا دیئے گئے ۔ کہ تخت جن کے پیرھنوں سے بھر جاتے تھے ۔

پس دشمنوں سے کہہ دو کہ ابن الخطیب رخصت ھوا،وفات پا گیا اور کون ہے جو اس دنیا سے گزر نہیں جائے گا ۔

اور جو کوئی اس کی وفات سے خوش ہے ۔ اس سے کہہ دو کہ آج خوش تو وہ ھو ، جسے خود کبھی موت نہ آئے ۔

غرضیکہ ابن الخطیب علم و ادب کا بحر زخّار تھے ۔ اندلسی تہذیب و تمدن کا شجر ثمر دار تھے ۔ تقریباً ساٹھ کتابوں کے مصنف تھے ۔ جو انہوں نے ادب ، تاریخ ، سیاست ، طب ، فقہ ، تصوف اور علم کلام وغیرہ پر لکھیں ۔ شاعری میں بھی منفرد اسلوب کے مالک اور موشحات کے ماھر تھے ۔ مختلف موضوعات میں ابن الخطیب کی مشہور تصانیف درج ذیل ھیں ۔ کتب ادب و تراجم میں مشہور تصانیف :

,,الکتیبة الکامنة " اور التاج المحلی فی مساجلة القدح المعلی . الدّرر الفاخرة واللّمحج الزّاخرة ۔ جیش التوشیح ۔ عائد الصلة ۔ السّحر والشعر ۔

کتب تاریخ :

نفاضة الجراب فی علالة الاغتراب ۔ الاحاطة فی أخبار غرناطة ۔ رقم الحلل فی نظم الدول ۔ کناسة الدّکان بعد انتقال السکان ۔ اعمال الأعلام فی من بویع قبل الاحتلام من ملوک الاسلام اللمحة البدریة فی الدّولة النصرانیة ۔

کتب جغرافیہ :

معیار الاختیار فی ذکر المشاھد والآثار . خطرة الطیف فی رحلة الشتاء والصیف .

کتب سیاست :

الاشارة الی ادب الوزارة اور بستان الدول معروف هیں ۔

کتب طب :

عمل من طب لمن حبّ اور المسائل الطبیة اور الیوسعی فی الطب ، رسالة تکوین الجنین الرجز فی عمل الترياق ، الوصول لحفظ الصحة فی الفصول اور رجز الاغذیة اهم تصانیف هیں ۔

اپنے اوپر تہمت الحاد کے بارے میں ,,خلع الرّس فی امر القاضی أبی الحسن ،، لکھی ۔

یه سوال پیدا هو سکتا ہے که ابن الخطیب نے وزارت وسیاست کے ساتھ اتنا عظیم علمی کارنامه کیسے انجام دیا ۔ تو اس کا جواب یه ہے که ابن الخطیب رت جگے کی بیماری کی وجه سے رات کو تصنیف و تالیف کا کام کرتے تھے اور دن کو امور مملکت و نظام سلطنت چلاتے تھے اسی لئے ذو الوزارتین کے ساتھ ساتھ ان کا لقب ذو العمرین (دو عمروں والا) بھی ہے (۱۶) ۔

الکتیبة الکامنة :

الکتیبة الکامنة ابن الخطیب کی عظیم ادبی تالیف ہے ۔ جو ایک سو تین شعرا کے تذکره پر مشتمل ہے ۔ یه تصنیف ابن الخطیب نے ۷۷۴ھ میں مراکش فاس میں لکھی ، جب وه ترک وزارت کرکے مراکش میں مقیم تھے ۔

ابن الخطیب نے کتاب کو چار اجزا میں تقسیم کیا ہے ۔

پہلا جز ان شعراء کے لئے مخصوص ہے ۔ جو خطباء و فصحاء اور صوفیاء وصلحا کے درجه میں هیں ۔ ان کی تعداد انیس ہے ۔

دوسرا جز طبقة المقرئین والمدرسین والممهدین لقواعد المعارف والموسّسین کا ہے ۔ یعنی طلبه و اساتذه کا گروه جو مشق سخن کرتا تھا ۔ ان کی تعداد گیاره ہے ۔

تیسرا جز قاضیوں کے لئے مخصوص ہے ۔ طبقة القضاة اولی الخلال المرتضاة ۔ ان کی تعداد چوبیس ہے ۔

چوتھا اور آخری طبقه طبقة من خدم أبواب الامراء من الكتاب والشعراء کا ہے۔ یعنی امرائے سلطنت کے خدام مصنفوں اور شاعروں کا گروہ ۔ اس قسم کے شعراءکی تعداد انچاس ہے ۔

ابن الخطیب ہر شاعر کا تذکرہ تین سے پانچ صفحات کے درمیان کرتا ہے۔ تذکرہ میں القابات وخطابات اور مبالغه آرائی سے گریز کرتے ہوئے موضوعی انداز تحریر اختیار کیا گیا ہے۔ البته کہیں کہیں دامن احتیاط چھوٹ جاتا ہے۔ بالخصوص ان لوگوں کے تذکرہ میں جن سے ابن الخطیب کو ذاتی طور پر تکلیفیں پہنچیں ۔ قاضی نباهی کا تذکرہ اس کی نمایاں مثال ہے۔ یہ کتاب صرف آٹھویں صدی ہجری کے شعراء کے تذکرہ پر مبنی نہیں ہے۔ جیسا کہ کتاب کے نام سے ظاہر ہے۔ بلکہ اس میں ان تمام ادباء و شعراءکا تذکرہ ہے۔ جن سے ابن الخطیب کی ملاقات ہوئی ۔

المقری اور نفح الطیب :

کتاب کا مکمل نام ,,نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب وذکر وزیرها لسان الدین الخطیب ،، ہے ۔ ابو العباس احمد بن محمد بن أحمد المقری التلمسانی الفاسی القاهری هیں ۔ المقری آبائی گاؤں کی طرف نسبت ہے۔ مقر شمالی افریقه میں تلمسان کا ایک گاؤں تھا جو مؤلف کا مولد ہے۔ جہاں اس نے پرورش پائی ۔ اور علم حدیث حاصل کیا ۔ المقري کی ذات مشرق و مغرب کے علوم کا سنگم تھی ۔ کیونکه مقری نے علم کی طلب میں اور اهل علم سے ملاقات کے لئے کئی ملکوں کی خاک چھانی ۔ دو مرتبه فاس اور دمشق کا سفر کیا ۔ پھر قاهره میں اقامت اختیار کی ۔ جہاں ۱۰۴۱ ھ میں انتقال کیا ۔

نفح الطیب کے علاوہ المقری کی درج ذیل کتب قابل ذکر هیں :

ازهار الرياض فی أخبار القاضی عياض ـ
اضاءة الدّجنة فی عقائد اهل السنة ـ
الدّر الثمين فی اسماء الهادی الامين .
قطف المهتصر فی أخبار البشر .
عرف انشق فی أخبار دمشق .
الغث والسمين والرث والثمين .
روض الآس العاطر الانفاس فی ذكر من لقيه من اعلام مراكش وفاس.
ازهار الكمامة .
حاشية علی شرح امّ البراهين .
اتحاف المغری فی تكميل شرح الصغری .
كتاب البدأة وانشأة .
فتح المتعال (فی وصف نعال النبی صلی الله عليه وسلم) .

نفح الطيب :

ابو العباس المقری ابن الخطيب کی شخصيت سے بہت متأثر تھا۔ وہ اس کی شاعری کا شيدا، اور اس کے علم و فکر کا امين تھا ـ اس کے ساتھ ساتھ اسے اندلس کی تاريخ ، اس کے طبعی مناظر، اور اس کے بلند مرتبہ علماء سے گہری عقيدت تھی ـ جب مقری دمشق پہنچے تو دمشق کے مشہور اديب ، صاحب سيف و قلم احمد بن شاهين الشاهينی نے ان سے اصرار کيا کہ وہ ابن الخطيب کی شخصيت اور علمی کارناموں پر کتاب لکھيں ـ يہ اصرار اتنا بڑھا کہ مقری نے شاهينی سے وعدہ کر ليا کہ وہ ضرور ان کی خواهش پورا کريں گے ـ چنانچہ ۱۰۳۹ ھ ميں انہوں نے نہايت عزم و استقامت کے ساتھ اس تاليف کا آغاز کيا ـ اور اس کا عنوان رکھا ـ ,,عرف الطيب فی التعريف بالوزير ابن الخطيب ،، پھر خيال آيا کہ اس تاليف کو صرف

ابن الخطیب کے ذکر تک محدود نہ کیا جائے بلکہ اسے اندلسی تراث کا موسوعہ (انسائیکلوپیڈیا) بنا دیا جائے ۔ جو اندلس کی تاریخ ، سیاسی نشیب و فراز ، جغرافیاء،علمی و ادبی تذکروں اور جنگی فتوحات و ہزیمتوں کا مستند ریکارڈ ہو ۔ موضوعات کے اس تنوع اور وسعت کی بنا پر مؤلف نے نام پر نظرثانی کرتے ہوئے اس کا نام ,,نفح الطیب من غصن الاندلس الرطیب و ذکر و زیرھا لسان الدین ابن الخطیب " رکھا ۔

مصنف نے کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ۔ پہلا حصہ آٹھ ابواب پر مشتمل ہے ۔ یہ آٹھوں ابواب اندلس اور اس کی سرزمین کے محاسن ، اسلام کی آمد اور وہاں کے معاشرے پر اس کے اثرات ، خلافت امویہ ، قرطبہ وجامع قرطبہ زھرا الناصریہ اور زاھرہ العامریہ کے تذکروں پر مشتمل ہے ۔ اس حصہ میں مقری نے ان اندلسی شخصیتوں کا بھی ذکر کیا ہے ۔ جنھوں نے مشرق کی طرف کوچ کیا اور اپنے کمال علم و ثقافت سے لوگوں کو مستفید کیا ۔ ابوبکر بن زھر اور یحیی الغزال جیسے لوگ اس گروہ میں داخل ھیں ۔ اسی طرح سے جو اھل علم مشرق سے اندلس وارد ہوئے ۔ اور انھوں نے عظیم علمی و فنی خدمات انجام دیں ان کا ذکر بھی اسی حصہ میں ہے ۔ ابو علی القالی ، زریاب المغنی اور خود خلیفہ عبدالرحمن الداخل اس کی نمایاں مثالیں ھیں ۔

کتاب کا دوسرا حصہ جو کہ کتاب کا اصل مقصود و مطلوب ہے ۔ لسان الدین الخطیب کے حالات پر مشتمل ہے ۔ اس میں ابن الخطیب کا مولد ، مذھب وثقافت ، منصب وسفارت ، شعر وادب ، تلامذہ و مریدین ، دوست احباب ، تصانیف و تالیفات،دشمن اور ان کی سازشوں غرض یہ کہ ابن الخطیب کی زندگی کے تمام گوشوں سے

بحث کی گئی ہے۔ کتاب کا مقدمہ ادب کا اعلی نمونہ ہے۔ جس میں (برّ وبحر میں) اندلس سے مصر کے سفروں کا مسجّع تذکرہ ہے۔ خوبصورت کشتیوں کی دلآویزی کا ذکر ہے۔ جب وہ روئے آب پر سبک خرام ہوتی ہیں۔ پھر بلاخیز موجوں سے الجھتی ہیں۔ اور سرکش ہواؤں کا مقابلہ کرتی ہیں۔ یہ سارے مناظر مقری کے اعلی ادبی ذوق کے شاھد ہیں۔ ادبی شہ پارہ ہونے کے ساتھ ساتھ مصادر کا ذکر کتاب کی فنی قدر و قیمت کو بڑھا دیتے ہیں۔ مقری چونکہ محدث ہیں اس لئے وہ ادبی و شعری روایت کے بیان میں اصول حدیث کے معیار پیش نظر رکھتے ہیں۔ وہ ہر ادبی تذکرہ کی تہہ تک پہنچتے ہیں اور ہر شعر کے اصل مآخذ تک رسائی حاصل کرتے ہیں۔ چنانچہ نفح الطیب میں اندلس کے متعدد تاریخی و ادبی مصادر جمع ہو گئے ہیں۔ ان میں وہ مصادر بھی ہیں جو گردش ایام کی نذر ہو گئے اور ان تک ہماری رسائی کا ذریعہ صرف نفح الطیب ہی ہے(۱۷)۔

یہ اندلس کے بنیادی ادبی مصادر کا مختصر جائزہ تھا۔ کتب تاریخ نے اندلسی ادب کی جو خدمت کی یا مشارقہ (غیر اندلسیوں) نے اندلسیات کے میدان میں جو کارھائے نمایاں انجام دیئے وہ ایک علیحدہ مبسوط مقالہ کے متقاضی ہیں۔ جو کسی آئندہ موقع کے لئے مؤخر کیا جاتا ہے۔

فہرست مصادر و حواشی

۱ ۔ مصطفی شکعة ، ڈاکٹر : مناھج التالیف عند العلماء العرب (قسم الادب) ، (دار العلم للملایین ، بیروت) ، ۱۹۷۳ء ، ص ٦١٥ .

۲ ۔ ابن الفرضی ، الحافظ ابوالولید عبداللہ بن محمد بن یوسف الازدی : تاریخ العلماء والرواة للعلم بالاندلس (مکتبة الخانجی ۔ القاھرة) ، ۱۹۵۳ء ، ص ۸۷ .

٣ ـ ابن عبد ربه الاندلسى ، شهاب الدين احمد: العقد الفريد ، (مطبعة كاغذ خانه) ، ١٢٩٣ هـ .
٤ ـ مصطفى شكعة : مناهج التاليف عند العلماء العرب ، ص ٦١٩ .
٥ ـ ابو الحسن على بن بسّام الشنترينى : الذخيرة فى محاسن اهل الجزيرة (لجنة التاليف والترجمة والنشر ـ القاهرة) ، ١٩٣٩ء ، ابن الفرضى كما تفصيلى تذكره ملاحظه هو ، ص ١٣٠ .
٦ ـ مصطفى شكعة : مناهج التاليف عند العلماء العرب ، ص ٦٢١ .
٧ ـ احمد امين : ظهر الاسلام (الجزء الثالث) ، (مطبعة لجنة التاليف والترجمة والنشر) ، ١٩٥٣ء ، ص ٢٨٣ .
٨ ـ مصطفى شكعة : مناهج التاليف عند العلماء العرب ، ص ٦٣٣ .
٩ ـ ابن بسّام : الذخيرة فى محاسن اهل الجزيرة ، آخرى باب .
١٠ ـ مصطفى شكعة : مناهج التاليف عند العرب ، ص ٦٣٣ .
١١ ـ احمد امين : ظهر الاسلام (الجزء الثالث) ص ٢٨٣ .
١٢ ـ المقرى ، الشيخ احمد بن محمد المقرى التلمسانى : نفح الطيب من غصن الاندلس الرطيب (دار صادر ، بيروت) ١٩٦٨ء ، ص ٢٢٥ ، ج ١ .
١٣ ـ مصطفى شكعة : مناهج التاليف عند العلماء العرب ، ص ٦٦٦ .
١٣ ـ نفس المصدر : ص ٦٧٩ .
١٥ ـ نفس المصدر : ص ٦٨٣ .
١٦ ـ نفس المصدر : ٦٨٧ .
١٧ ـ المقرى ، نفح الطيب من غصن الاندلس الرطيب (دار صادر بيروت ، ١٩٦٨ء) .

★★★

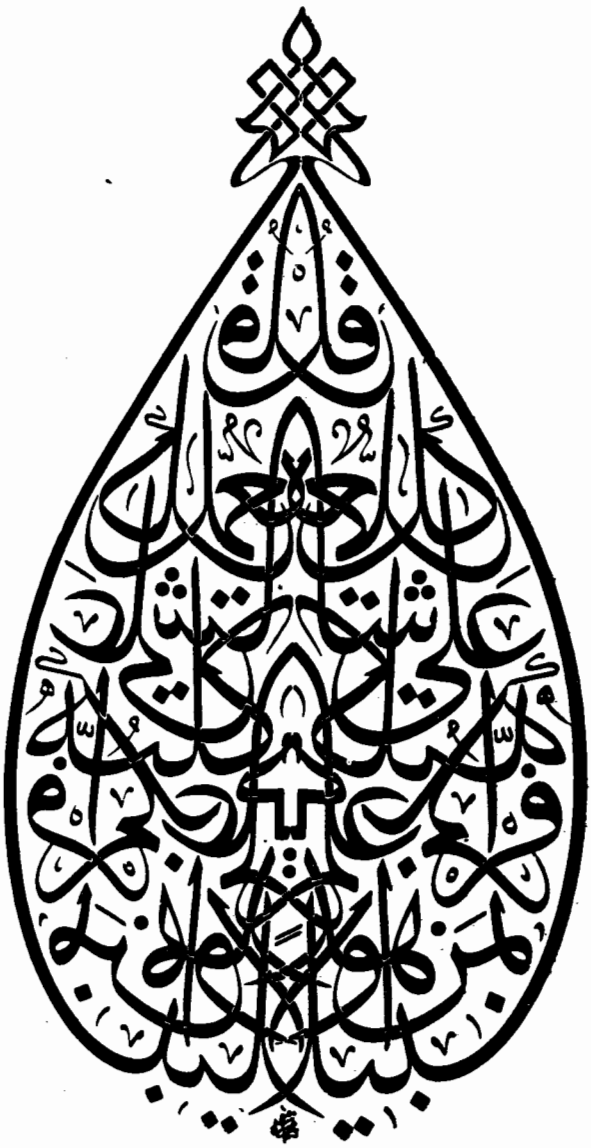

نموذج من الكتابة الثلثيـــة المصنعة ، كتبها الاستاذ الخطاط محمد شفيق في (اولو جامع) بمدينة بورسه ، نصها : قل كل يعمل على شـــاكلته فربكم اعلم بمن هو اهو سبيلا • عن (گوزل صنعتلر) •

عـربی شاعری اندلس میں

(ایک طائرانہ جائزہ)

ڈاکٹر خورشید رضوی

اگر ڈاکٹر محمد حمیداللہ صاحب کی اس تازہ تحقیق سے اتفاق کر لیا جائے کہ مسلمان افواج طارق بن زیاد سے بہت پہلے ۲۷ ھـ میں اندلس میں قدم رکھـ چکی تھیں (۱)۔ تو پھر یہاں کی فضاؤں میں اولین عربی اشعار بھی اسی زمانے میں گنگنائے گئے ہوں گے۔ بعد ازاں طارق بن زیاد اور موسی بن نصیر کے ساتھـ اندلس میں عربوں کی آمد اور پھر ان کے نسلی و گروھی تعصبات کے ھنگاموں میں ، ممکن نہیں کہ یاد ماضی اور فخر و مباھات کے جذبات کو شعر کی زبان میں ادا نہ کیا گیا ہو۔ لیکن ان ابتدائی ادوار کی رجز خوانی ہو یا غزل سرائی،سب ہواؤں میں تحلیل ہو چکی ہے۔ شاید اس لئے کہ یہ ادوار ایسی عملی کشاکش سے عبارت تھے جس میں ادبی آثار کی حفاظت کا اھتمام ممکن نہ تھا۔

سر زمین اندلس میں تخلیق ہونے والی عربی شاعری کا اولین قابـل ذکر نمونـہ ، جو محفـوظ رہ سکا ہے ، غالبـاً صقـــر قریش عبدالرحمن الداخل (م۱۷۲ ھـ/ ۷۸۸ء) کے بعض اشعار ھیں جن پر یاد وطن یا فخر کا مضمون غالب ہے (۲) ۔ ان میں زیادہ شہرت چار شعر کے اس قطعے کو ملی جو اس نے رُصافۂ قرطبہ(۳) میں کھجور کے ایک تنہا درخت کو دیکھـ کر کہا ۔ کھجور کا درخت اندلس کی چیز

نہ تھی ۔ یہ اسے اس کے وطن، سر زمین شام، اور وہاں امویوں کی عظمت رفتہ کی یاد دلاتا تھا ۔ شاید اسی لئے اس نے مسجد قرطبہ کے ستون اور ان کی درمیانی قوسیں اس وضع پر رکھوائیں کہ ایک نخلستان کا نمونہ پیش کریں ۔ اقبال نے اسی کیفیت کو محسوس کرکے کہا تھا :

تیری بنا پائدار ، تیرے ستون بے شمار
شام کے صحرا میں ہو جیسے ہجوم نخیل (۴)

بہرکیف رصافہ میں کھجور کا پیڑ دیکھ کر عبدالرحمٰن کے دل کے تار جھنجھنا اٹھے اور اس نے اپنے اور اس کے درمیان غریب الوطنی کا اشتراک محسوس کرتے ہوئے کہا : (۵)

تبدّت لنا وسطَ الرصافة نخلةُ
تناءَت بارضِ الغربِ عن بلد النّخلِ
فقلتُ شبیهی فی التغرّبِ والنّوی
وطولِ التّنائی عن بنَّی وعن اهلی
نشأت بارضٍ انت فیها غریبةٌ
فمثلکِ فی الا قصاءِ والمنتأی مثلی
سقتْکِ غوادی المُزنِ صوبها الذی
یسحُّ ویستمری السّما کَیْنِ بالْوَبْلِ

,,رصافہ کے وسط میں ایک کھجور ہمیں دکھائی دی جو کھجوروں کی سرزمین سے بہت دور ارض مغرب میں کھڑی تھی۔

میں نے اس سے کہا : اے کہ تو میری شبیہ ہے۔ غریب الوطنی میں ، بُعد مکانی میں، اور اہل و عیال سے مدتوں کے فراق میں تونے ایک ایسی زمین میں نشوونما پائی ہے جہاں

تو غریب الدیار ہے۔

چنانچہ فاصلوں اور دوریوں کے حوالے سے تو میری مثال ہے خدا کرے صبح کے بادل تجھے اپنے دھارے سے سیراب کریں جو کھل کر برستا ہے اور (آسمان کے ستاروں) سماکین ، سے موسلادھار بارش کھینچ کر لے آتا ہے "۔

اقبال نے بال جبریل میں ان اشعار کا آزاد ترجمہ ,,عبدالرحمن اول کا بویا ہوا کھجور کا پہلا درخت ۔ سر زمین اندلس میں " کے عنوان سے کیا ہے :

مغرب کی ہوا نے تجھ کو پالا
صحرائے عرب کی حور ہے تُو
پردیس میں ناصبور ہوں میں
پردیس میں ناصبور ہے تُو
غربت کی ہوا میں بارور ہو
ساقی تیرا نم سحر ہو (٦)

اندلس کے اموی حکمرانوں میں عبدالرحمٰن کا ذوق شعری نسل در نسل ظہور کرتا رہا ۔ ابن الابّار نے اس کے بیٹے ہشام اور پوتے الحکم کے اشعار نقل کئے ہیں (۷)۔ اس کا پرپوتا عبدالرحمان الاوسط شعر و ادب اور فنون لطیفہ سے گہری دل چسپی رکھتا تھا اور گاہے گاہے خود بھی شعر کہتا تھا ۔ مشہور مغنّی زریاب اسی کے دربار سے وابستہ تھا ۔ اسی کے زیر سرپرستی یحیی بن الحکم الغزال (۸) جیسا شاعر ابھرا جس کے بارے میں روایت ہے کہ اس نے ایک مرتبہ اہل بغداد کو اپنے چند شعر یہ کہہ کر سنا دیئے کہ یہ ابو نواس کے شعر ہیں تو کسی کو اس پر شک نہ گزرا (۹)۔ الغزال نے اندلس کی منظوم تاریخ بھی لکھی ۔ (۱۰) شاعر ہونے کے علاوہ وہ بڑی سوجھ بوجھ کا

آدمی بھی تھا، اور عبدالرحمٰن اس سے سفارتی کام بھی لیتا تھا(۱۱)۔ عبد الرحمٰن کے درباری شعراء میں عبداللہ بن الشّمِر (۱۲) کا نام بھی نمایاں ہے۔

شاعری کا یہ ذوق رفتہ رفتہ اندلسی ثقافت کی رگ وپے میں سرایت کر گیا ۔ صاحبان اقتدار خود شعر کہتے تھے اور شعراء کی سرپرستی کرتے تھے ۔ اگرچہ یہ سب شعراء قبول عام نہ پاسکے مثلاً القلفاط محمد بن یحیی اور عبیدیس بن محمود (۱۳)۔ امیر ابو الحکم المنذر بن محمد ، عبدالرحمٰن الداخل کی پانچویں پشت میں تھا اس کے دربار سے العکّی اور ابن عبدربّہ وابستہ تھے (۱۴)۔ تاہم ابن عبدربّہ کی شہرت بھی بطور شاعر کچھ زیادہ نہیں اور وہ ,,العقد الفرید،، کی تالیف کے سبب زیادہ معروف ہے۔ بہرحال وہ اندلس کے سب سے زیادہ پر شکوہ اموی حکمران عبد الرحمٰن لثالث (الناصر) کے زمانے تک بطور شاعر دربار سے وابستہ رہا اور اس کے دور پر یوں تبصرہ کیا:

قد اَوضح اللهُ للاسلام مِنهاجَا
والناسُ قد دخلوا فی الدین افواجا
وقد تزیّنتِ الدنیا لساکِنِها
کاَنّما لبِستْ وشْیاً و دیباجَا (۱۵)

اللہ نے اسلام کا راستہ واضح کر دیا
اور لوگ دین میں جوق در جوق داخل ہوئے
اور دنیا اہل دنیا کے لئے بن سنور گئی
گویا اس نے منقش پیرھن اور دیبا کا لباس پہن لیا

رفتہ رفتہ عربی شاعری اہل اندلس کی گھٹی میں پڑ گئی اور امیر و فقیر ، شاہ وگدا ، خواص و عوام سبھی سخن گوئی و سخن فہمی میں شریک ہو گئے ۔ اس صورت حال کا اظہار کرنے کے لئے

نکلسن نے قزوینی کی ,,آثار البلاد ،، کا ایک دل چسپ حوالہ دیا ہے (۱۶) ۔ قزوینی کے ہاں یہ اقتباس ,,شِلب،، کے تحت آیا ہے جس کے بارے میں اس نے وضاحت کی ہے کہ باجہ کے قریب اندلس کا ایک شہر ہے ۔ اصل عبارت یوں ہے :

,,من عجائبها ماذکره خلق لایُحصیٰ عددهم انه قلّ ان یُری من أهل شِلب من لا یقول شعرا ولا یتعانی الادب ولو مررتَ بالحرّاث خلف فدّانه وسألتَه الشعر لَقرضَ فی ساعته ایّ معنی اقترحتَ علیه وایّ معنی طلبتَ منه صحیحا ،، (۱۷) ۔

,,یہاں کے عجائب میں سے ایک ، جس کا ذکر لاتعداد لوگوں نے کیا ہے ، یہ ہے کہ اهل شلب میں خال خال ھی کوئی ہو گا جو شعر نہ کہتا ہو اور ادب سے شغف نہ رکھتا ہو ۔ تم اگر کسی ہل چلاتے ہوئے کسان کے پاس سے بھی گزرو اور اس سے شعر کی فرمائش کرو تو وہ فی الفور کسی بھی موضوع پر جو تم اسے تجویز کر دو یا کسی بھی مضمون پر جو تم اس سے طلب کرو، ٹھیک ٹھیک شعر کہہ دے گا ،، ۔

ایسی صورت حال میں ظاہر ہے کہ اس موضوع کا اجمالی احاطہ کرنے کے لئے بھی ایک ضخیم تصنیف درکار ہو گی ۔ زیر نظر مضمون کا مقصد اس سے زیادہ کچھ نہیں کہ اندلسی شاعری کے امتیازی خدوخال اور انہی کے حوالے سے ترتیب زمانی کی پابندی کئے بغیر ، محض آزاد تلازمِ خیال کے تحت،چند سربرآوردہ شعراء کا ایک سرسری سا جائز ہ لیا جا سکے جو قارئین کو اس موضوع پر مزید مطالعے کی تحریک بہم پہنچا سکے ۔

مجموعی طور پر اندلس کی شاعری ، بلاد مشرق میں ہونے والی عربی شاعری ھی کا ایک پرتو تھی ۔ شعر کے جو سانچے دور جاهلیت میں متعین ہو چکے تھے بیشتر قرطبہ واشبیلیہ میں بھی اسیطرح غالب

رہے جس طرح بغداد و دمشق میں تھے ۔ روایت کی اس آہنی گرفت کو جو لفظ سے گزر کر مضامین و معانی تک پر اثر انداز ہوئی اور جس نے صدیوں تک عربی شاعری میں تازگئ احساس کو درآنے کا کم سے کم موقع دیا ، خلاّق ذہنوں نے پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھا ۔ محبوب کے اجڑے ہوئے دیار پر کھڑے ہو کر اشک باری کا مضمون جو امرؤالقیس کے ,,قفانبک،، سے شروع ہوا تھا ، بعد کے شعراء کے لئے ایک فریضۂ مفروضہ بن کر رہ گیا ۔ ابو نو اس کی باغی طبیعت اس پر جھنجھلائی چنانچہ اس نے دیار محبوب کے کھنڈر پر ,,کھڑے ہونے ،، کی اس فرسودہ روایت پر یوں پھبتی کسی :

قُل لِمَنْ یبکِی علیٰ رسمٍ دَرَسْ
وَاقِفاً ، ما ضرَّ لو کانَ جَلَسْ (۱۸)

,,جو شخص مٹے ہوئے نشانات دیار پر ,,کھڑا ہوا،، رو رہا ہے اس سے کہو کہ وہ ,,بیٹھ،، بھی جاتا تو کوئی خاص مضائقے کی بات نہ تھی ،،

اندلسی شاعری کے بعض ناقدین کو بھی روایت کی اسی آہنی گرفت کا شکوہ رہا ہے ۔ معاصر ہسپانوی ناقد ,,Garcia Gomez کی رائے میں (۱۹) اندلس کی عربی شاعری کی بیشتر اصناف سخن میں فکر اور جذبے کی سچائی کا فقدان پایا جاتا ہے ۔ اسی طرح ,,Schack کی رائے میں (۲۰) شعرائے اندلس کا بیشتر کلام شوکت الفاظ ، حسنِ آہنگ اور نیرنگئ خیال سے عبارت ہے جس میں ہمارے احساسات کو متاثّر کرنے سے زیادہ ہماری نگاہوں کو خیرہ کر دینے پر زور ہے اور اس اعتبار سے یہ شاعری آتش بازی سے مشابہ ہے جو اپنی چکا چوند دکھانے کے بعد تاریکی میں کھو جاتی ہے ۔ اس کی چمک دمک ذرا دیر کے لئے ضرور حواس پر چھا جاتی ہے لیکن وہ طبیعت پر دیرپا اثر نہیں چھوڑتی ۔

اندلسی شاعری ۔ (بلکہ من حیث الکل اس وقت کی تمام معاصر عربی شاعری) ۔ پر یہ تنقید قابل لحاظ ضرور ہے مگر اس میں ,,بیشتر " کا لفظ خصوصیت سے قابل لحاظ ہے ۔ چنانچہ ہم دیکھیں گے کہ جس طرح اہل اندلسی کے مشرقی معاصرین میں خلاّق طبیعتوں نے روایت کے اس آہنی جنگلے پر جابجا تازگیٔ احساس کے پھول کھلائے اسی طرح اہل اندلس کی طبیعت کی اُپج بھی تازہ کاری سے یکسر عاری نہ رہی اور انھوں نے روایت کی بنی بنائی شاہراہوں سے ہٹ کر اظہار کی نئی راہیں اور ہیئت و اسلوب کی نئی پگڈنڈیاں بھی نکالیں ۔ علاوہ ازیں مستشرقین کے زاویۂ نظر سے مشرقی شعر و ادب میں جو چیز ,,روایت کا جمود " قرار پاتی ہے وہ بسا اوقات مشرق کے اجتماعی لاشعور کے ان اعماق سے ذوقی لاتعلقی پر مبنی ہوتی ہے جو اس روایت کے بطون میں مضمر ہوتے ہیں چنانچہ ایک طرف غالب کی اس رائے کو سامنے رکھئے کہ

,,شاعر کا کمال یہ ہے کہ فردوسی ہو جائے " (۲۱)

اور دوسری طرف شاہنامۂ فردوسی پر ,, Edward Browne " کا تبصرہ دیکھئے (۲۲) ۔

اندلس میں عرب ثقافت کا آغاز مشرق کے عرب تمدن کی تقلید سے ہوا ۔ انھوں نے وہاں کے شہروں کے نام تک مختلف بلاد شرقیہ کے نام پر رکھے ۔ چنانچہ غرناطہ کو دمشق ، اشبیلیہ کو حمص ، شریش کو فلسطین اور جیان کو قِنسّرین کا نام دیا گیا ۔ رفتہ رفتہ تقلید نے منافست کی صورت اختیار کر لی ۔ چنانچہ محلاّت ، باغات ، درس گاہوں ، اور مساجد وغیرہ کی کثرت میں وہ اہل مشرق سے بازی لے جانے کے لئے کوشاں ہوئے ۔ یہی جذبہ شعر و ادب اور موسیقی وغیرہ کی سرپرستی میں بھی کار فرما ہوا ۔ اندلس کے شعراء کو بلاد شرق

کے اساتذہ کے مقابلے میں کھڑا کیا گیا اور انہی کے القاب اور کنیّتوں سے یاد کیا گیا ۔ چنانچہ ابن زیدون کو بُحتری اور ابن ھانی کو المتنبی قرار دیا گیا اور ان لوگوں نے اپنے مسلک شعری میں شعرائے عبّاسی ھی کی پیروی بھی کی (۲۳) ۔ مدح ، ھجو ، مرثیہ ، فخر و حماسہ ، خمریّات ، تغزّل اور منظر نگاری وغیرہ اصناف ، مشرق کی پیروی میں یہاں بھی اختیار کی گئیں ۔ تاھم اھل اندلس کی زبان اھل مشرق کی طرح محکم نہ تھی اور اکثر قدیم اصناف میں ان کا کلام کلامِ مشارقہ کا ھم پلّہ نہ تھا ۔ ھاں بعض اصناف مثلاً مناظر فطرت کا بیان ، اور مملکتوں کے زوال کا مرثیہ ایسی ھیں جن میں اندلسیوں نے اپنا خاص رنگ پیدا کیا اور مشارقہ پر بازی لے گئے ۔

مرثیے کی روایت تو باقی سب اصناف کی طرح مشرق ھی سے آئی تھی اور افراد کی موت پر انہی روایتی اسالیب میں رنج و غم کا اظہار کیا جاتا تھا جو شعرائے مشرق نے متعین کر دئے تھے ۔ تاھم اندلس کی طوائف الملوکی کے زمانے میں مملکتوں کے پے بہ پے سقوط نے شعرائے اندلس کے دل میں درد مندی اور حب الوطن کے سچے جذبات کو کروٹ دی اور انھوں نے افراد سے بالاتر ھو کر اجتماعی مرثیے یا شہر آشوب کی صنف پیدا کی ۔ ایسے مرثیوں میں یوسف بن تاشفین کے ھاتھوں بنو عبّاد اور بنو الأفطس کی مملکتوں کے زوال پر علی الترتیب ابن اللبّانہ اور ابن عبدون کے مرثیے نمایاں حیثیت رکھتے ھیں ۔ تاھم سب سے زیادہ درد انگیز ، غالباً ابو البقاء الرّندی کا وہ نونیہ ہے جو اندلس کے بعض علاقوں پر عیسائیوں کے قبضے اور مسلمانوں کی بے دخلی سے متاثر ھو کر لکھا گیا ۔

ابن اللبّانۃ کا مرثیہ بنو عبّاد کے زوال اور معتمد کی اسیری اور اشبیلیہ سے مراکش کی جانب بے بسی کے سفر سے متعلق تھا ۔ اندلسی

شعراء میں چونکہ معتمد کو خود ایک نمایاں حیثیت حاصل ہے لہذا یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم اس کی شخصیت اور فن پر ایک اجمالی نظر ڈالتے چلیں ۔

ابو القاسم محمد بن عبّاد المعتمد علی اللہ (م ۴۸۸ ھ/۱۰۹۵ء) اپنے باپ المعتضد باللہ کے بعد اشبیلیہ و قرطبہ کا فرماں روا ہوا ۔ وہ طبعاً شاعر آدمی تھا اور اس پائے کا کہ بقول ابن الابّار ,,لم یکُ فی ملوکِ الاندلس قبلَه اشعرَ منه ،، (۲۴)۔ ,,شاہان اندلس میں اُس سے پہلے اُس سے بہتر شاعر کوئی نہ تھا ،، ۔ معتمد کی کمزوریاں وہی تھیں جو عموماً شعراء میں ہوتی ہیں اور یہی غالباً اس کے زوال کا سبب بھی بنیں ۔ لیکن اس کی فطرت بلند تھی۔وہ نہایت سخی بھی تھا اور شجاع بھی ۔ جب کبھی میدان جنگ میں تلوار اٹھانے کا موقع آیا اس نے پامردی کی مثال قائم کی ۔ حریر و پرنیاں کے ساتھ سیرتِ فولاد کا یہ امتزاج ایک دل کش امتزاج تھا ۔ چنانچہ معتمد کی شخصیت خاصی ہر دلعزیز شخصیت تھی ۔ شعر کا ذوق اسے ورثے میں ملا تھا ۔ بچپن ہی میں موذّن کی اذان سن کر اس نے ارتجالاً کہا تھا :

هذا المؤذّنُ قد بدا بأذانِهِ
یرجو الرِّضا والعفوَ من رحمانِهِ
طُوبیٰ له من ناطقٍ بحقیقةٍ
اِن کانَ عقد ضمیرِهِ کلِسانِهِ (۲۵)

,,یہ موذن جو اپنی اذان کے ساتھ سامنے آیا ہے
اپنے ربِّ رحیم کی خوشنودی و مغفرت کا طالب ہے
یہ شاد و آباد رہے اس کی زبان سے بڑے سچے الفاظ نکل رہے ہیں

بشرطیکہ اس کے ضمیر کی تہوں میں بھی وہی کچھ ہو جو اس کی زبان پر ہے "۔ معتمد کے شب و روز، حسن و شباب، صراحی و کتاب، اور ندیمان باذوق و حاضر جواب سے عبارت تھے۔ ایک روز دریا کی سیر کرتے ہوئے معتمد نے سطح آب پر ہوا سے پیدا ہونے والے تموّج کو دیکھا تو برجستہ یہ مصرع کہا:

صَنَعَ الریْحُ من الماءِ زَرَدْ

"ہوا نے پانی پر زرہ سی بُن دی ہے"

اس کا شاعر وزیر ابن عمّار بھی ہمراہ تھا۔ معتمد نے اس سے فرمائش کی کہ گرہ لگائے۔ ابن عمّار نے بہت دماغ لڑایا مگر طبیعت نے راہ نہ دی ایک عورت قریب ہی کہیں بیٹھی کپڑے دھو رہی تھی اس نے وہیں سے جواب دیا:

ایّ درعٍ لقتالٍ لوجَمَدْ

"کاش یہ یہیں جم جائے تو جنگ کے لئے کیا خوب زرہ ثابت ہو" معتمد چونکا اور پہلی ہی نظر میں سو جان سے اس پر عاشق ہو گیا۔ یہ خاتون "رُمیکیّہ" اس کی چہیتی ملکہ بنی اور اسے ہمیشہ معتمد کے دل و دماغ پر وہی تصرّف حاصل رہا جو نورجہاں کو جہانگیر پر حاصل تھا۔ رُمیکیّہ کا اصل نام "اعتماد" تھا۔ (یہ بھی کہا جاتا ہے کہ معتمد نے اپنا لقب اسی کے نام سے اخذ کیا) (۲٦) اعتماد کی ناز برداریوں کے سلسلے میں معتمد کے بعض عجیب واقعات منقول ہیں۔ مثلاً یہ کہ ایک موقع پر اعتماد نے اشبیلیہ میں کچھ دودھ بیچنے والی بدّو عورتوں کو دیکھا کہ مشکیزوں میں دودھ بھرے پنڈلیوں تک پائنچے اُکسائے، کیچڑ میں چل رہی ہیں۔ اس پر اُس نے اس عجیب و غریب خواہش کا اظہار کیا کہ میں اپنی خواصوں کے جلو میں اسی طرح چلنا چاہتی ہوں۔

معتمد نے کافور اور مشک و عنبر کے ڈھیر عرق گلاب میں گُندھوائے اور یہ ,,گارا،، محل میں بچھا دیا گیا ۔ پھر ابریشم کی ڈوریاں اور مشکیزے تیار کئے گئے اور اعتماد اور اس کی خواصوں نے اس ,,گارے،، میں چل کر یہ خواہش پوری کی ۔ (۲۷)

اِس دور میں معتمد کا کلام انہی آسائشوں کے گرد گھومتا تھا ۔ مثالیں اس کے دیوان میں دیکھی جا سکتی ہیں ۔ مگر اسے معلوم نہ تھا کہ کیا کیا سنگینیاں ان رنگینیوں کی گھات میں ہیں ۔ اسی زمانے میں عیسائی قوتوں نے ,,Alfonso،، کی سربراہی میں خود کو مجتمع کر لیا اور مسلمانوں کی طوائف الملوک سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ان کو دبا لیا ۔ بعض حالات ــ جن کی تفصیل میں جانا باعث طوالت ہو گا ــ ایسے پیش آئے کہ معتمد اس بات پر مجبور ہو گیا کہ مراکش میں مرابطین کے طاقتور سربراہ یوسف بن تاشفین سے مدد چاہے ۔ اس کے خیر خواہوں نے اسے اس اقدام سے باز رکھنے کی کوشش بھی کی لیکن اُس کا جواب ــ جو اُس کی حمیّت اسلامی کا آئینہ دار ہے ــ یہ تھا کہ ,,رَعْیُ الجِمال خیرٌ من رعْیِ الخنازیر ،، (۲۸) ۔ اونٹوں کا چرواہا بننا (یعنی یوسف بن تاشفین کی غلامی) سؤروں کا چرواہا بننے (یعنی عیسائیوں کی غلامی) سے بہتر ہے ۔ علاوہ ازیں اس سلسلے میں غالباً مذہبی علماء وفقہاء کا دباؤ اس وقت اتنا زیادہ تھا کہ معتمد کے لئے اس رائے سے اختلاف شاید ممکن بھی نہ رہا ہو (۲۹) ۔

بہرحال یوسف بن تاشفین اندلس آیا اور زلاّقہ کی جنگ میں ,,Alfonso،، کو عبرت ناک شکست دے کر اُس نے اندلس پر عیسائی تسلّط کے امکانات کو کئی صدیاں پیچھے دھکیل دیا ۔ اس بار وہ اندلس کی پارہ پارہ حکومتیں جوں کی توں ان کے حکمرانوں کو سونپ کر واپس چلا گیا لیکن افریقہ کے تپتے ہوئے صحراؤں کے مقابلے میں

اندلس کے شاداب علاقوں کی کشش نیز بعض مصاحبوں کے اکسانے نے اُسے دوسری بار اس عزم کے ساتھ اندلس کا رخ کرنے کی تحریک فراہم کی کہ وہ ان سب کمزور مسلمان حکمرانوں کو اندلس کی بساط سے ہٹا کر خود وہاں ایک مضبوط حکومت قائم کرے ۔ چنانچہ اس بار وہ ایک فاتح کی حیثیت سے آیا اور خود معتمد کو اُس سے جنگ کرنا پڑی ۔ اس جنگ میں معتمد کی پامردی وبےجگری تاریخ کے صفحات میں یادگار ہے (۳۰) ۔ لیکن مقدّر کا لکھا یہی تھا کہ اُس کی تیغ دودم اب اُس کی زنجیر بن جائے ۔ یوسف بن تاشفین نے اس کی جاں بخشی ضرور کر دی لیکن اسے پابجولاں طنجہ لے گیا ۔ جب اُسے اور اُس کے اھل خانہ کو سفینے میں سوار کیا جا رہا تھا ، اُس کے محب کنارے پر کھڑے زار و قطار رو رہے تھے ۔ (۳۱) ۔ بالآخر اسے اَغمات کے قید خانے میں ڈال دیا گیا جہاں سے نکلنا اُس کے نصیب میں نہ تھا ۔ سیاسی کشمکش کے دوران میں تین بیٹوں کا داغ معتمد کے سینے پر پہلے سے تھا ۔ اب اس کا بیٹا ابو ھاشم،چہیتی ملکہ اعتماد اور اس کی بچیاں در در کی ٹھوکریں کھانے کے لئے رہ گئیں ۔ ناز و نعم کی پلی ہوئی یہ شہزادیاں اب اجرت پر لوگوں کے لئے سوت کاتتی تھیں ۔

قید خانے میں معتمد نے جو شاعری کی وہ فنّی اعتبار سے اس کی بلند ترین تخلیقات سے عبارت ہے کیونکہ ذاتی احساس کی وہ کسک اس شاعری کی جان ہے جس کے فقدان کا شکوہ اندلسی شاعری کے بعض ناقدین کو رہا ہے ۔ ماضی کی بہار اور حال کے خار زار کا موازنہ اس کے نازک دل پر کیا کیا قیامت برپا نہ کرتا ہو گا ۔ ایک موقع پر اس نے کہا :

تبدَّلتُ من عزّ ظلِّ البُنُود
بذُلّ الحديدِ وثِقْل القُيود
وكانَ حديدی سِناناً ذليقاً
وعَضْباً رقيقاً صقيلَ الحُدود
فقد صارَ ذاک وذا ادهماً
يعَضُّ بساقَيَّ عضَّ الأُسود (۳۲)

,,پرچموں کے سائے کی عزت کے عوض
مجھے لوھے کی ذلت اور بیڑیوں کی گرانی نصیب ھوئی
لوھا میرے لئے نیزے کی تیز انی
اور باریک ، صیقل شدہ دھاروں والی شمشیر برّاں سے عبارت
ھوا کرتا تھا
اب وہ اور یہ دونوں ایک بیڑی میں ڈھل گئے ھیں
جو میری پنڈلیوں کو شیروں کی طرح چباتی ہے "

انہی اشعار کی ترجمانی اقبال نے ,,قید خانہ میں معتمد کی فریاد "
کے عنوان سے یوں کی ہے :

اک فغاں بے شرر سینے میں باقی رہ گئی
سوز بھی رخصت ھوا، جاتی رھی تاثیر بھی
مردِ حُر زنداں میں ہے بے نیزہ و شمشیر آج
میں پشیماں ھوں ، پشیماں ہے مری تدبیر بھی
خود بخود زنجیر کی جانب کھچا جاتا ہے دل
تھی اسی فولاد سے شاید مری شمشیر بھی
جو مری تیغ دو دم تھی اب مری زنجیر ہے
شوخ وبے پروا ہے کتنا خالق تقدیر بھی (۳۳)

قید و بند کی انہی صعوبتوں میں وہ لمحۂ جانگداز بھی آیا کہ عید

کے روز اس کی بیٹیاں سلام کی غرض سے قید خانے میں حاضر ہوئیں ان کی زبوں حالی اور بوسیدہ لباس دیکھ کر معتمد کا دل پھٹ کر رہ گیا ۔ یہ اشعار انہی تاثرات کے امین ہیں ۔

فیما مضٰی کنتَ بالاَعْیادِ مَسرورا
فساءکَ العیدُ فی اَغمات مأسُورا
تری بَناتِک فی الاَطْمارِ جائعةً
یغزِلْنَ للنّاسِ ، لا یملِکْنَ قِطْمِیرا
برزنَ نحوَک للتسلیم خاشعةً
اَبصارُ هُنّ ، حسیراتٍ مکاسیَرا
یطأنَ فی الطینِ والاَقدامُ حافیةٌ
کاَنّها لم تطأ مِسکاً و کافُورا
قد کانَ دهرکَ اِنْ تأمُره ممتثِلاً
فردَّک الدّهرُ مَنهِیّاً و مأمُورا
من باتَ بعدَک فِی مُلکٍ یُسَرَّبِهِ
فَاِنّما باتَ بِالاَحْلامِ مَغْرُورا (۳۳)

,,ایک زمانہ تھا کہ عیدیں تیرے لئے خوشیاں لایا کرتی تھیں
ایک وقت یہ بھی ہے کہ اغمات کی اسیری میں عید تیرے دل پر بار ہے
تو اپنی بیٹیوں کو بھوک کی کیفیت میں چیتھڑوں میں ملبوس دیکھتا ہے
وہ لوگوں کے لئے سوت کاتتی ہیں اور ان کی گرہ میں پھوٹی کوڑی بھی نہیں وہ تیرے پاس اس کیفیت میں سلام کو حاضر ہوئی ہیں
کہ ان کی نگاہیں نیچی اور تھکی تھکی اور جھکی جھکی ہیں
وہ ننگے پاؤں مٹی پر قدم رکھ رہی ہیں ۔
یوں لگتا ہے کہ یہ قدم کبھی مشک و کافور پر نہیں چلے تھے

وہ دن بھی تھے کہ تو اپنے زمانے کو اگر حکم دیتا تھا تو وہ اسے بجا لاتا تھا

اب زمانے نے تجھے اس حال کو پہنچا دیا کہ جب چاہے تجھے روک دے اور جب چاہے اپنے حکم پر چلائے -

تیرے بعد جو کوئی کسی بادشاہی میں خوش ہو کر شب بسری کرتا ہے تو فقط خوابوں کے فریب میں رات گزارتا ہے "

معتمد کو اس بند غم سے نجات قید حیات کے ختم ہونے پر ھی نصیب ہو سکی - جب اشبیلیہ کے خواب بالآخر اغمات میں پیوند زمیں ہو گئے -

سو یہ تھی دولت بنی عبّاد کے زوال کی وہ اندوھناک داستان جس پر ابن اللبّانہ نے وہ مرثیہ کہا جس کا مطلع ہے :

تَبْکِی السّماءُ بِمُزنٍ رائحٍ غَـادِ

علی البَھا لِیْلِ من ابنـاءِ عبّـادِ (۳۵)

"آسمان صبح و شام ابر باراں سے آنسو بہاتا ہے

بنو عبّاد کے جامع صفات سرداروں پر "

دوسرا مشہور مرثیہ ابن عبدون کا ہے جو بنو الافطس کے زوال پر کہا گیا :

ألدّھُر یفجعُ بعدَ العَیْنِ بِالاَثَرِ

فما البُکَاءُ عَلَی الاَشْبَاحِ والصُّوَّرِ (۳٦)

"زمانہ اصل کے بعد اُس کی رھی سہی نشانیوں کا صدمہ بھی دکھاتا ہے

سو پر چھائیوں اور تصویروں پر آہ وبکا سے کیا حاصل ہے ؟"

اجتماعی مرثیوں کے سلسلے کی تیسری اور شاید سب سے زیادہ موثّر مثال ابو البقاء الرُّندی کا وہ مرثیہ ہے جس کی طرف پہلے اشارہ ہو

چکا ـ یعنی وہ نونیہ جو اس نے بعض بلاد اندلس پر عیسائیوں کے تصرّف اور مسلمانوں کی بے دخلی کے غم میں کہا :

لِکُلِّ شَئٍ اذاَ مَاتَــمَّ نُقْصَانُ
فلا یُغَرَّ بِطِیْــبِ العَیْشِ اِنْسَــانُ
هِیَ الاُمُـوْر کَمَـا شَاهَـــدتَّهَـا دُوَلٌ
مَنْ سَـرَّهُ زَمَـنٌ سَـاءَتْهُ اَزْمَـانُ (۳۷)

,,ہر شے جب کمال کو پہنچ جائے تو پھر اس کے لئے زوال مقدّر ہے سو کوئی شخص آسودگئی حیات کے فریب میں نہ آئے یہ معاملات زیست، جیسا کہ تم دیکھ چکے ہو، آنی جانی هیں ایک گھڑی کا سُکھ اگر کسی کو ملتا ہے تو کتی گھڑیوں کا دُکھ اسے جھیلنا پڑتا ہے ،، ـ

اس مرثیے میں دیار اسلام کے اجڑنے اور کفّار کے غلبے کی تصویر شاعر نے اشک خون آلود سے یوں بنائی ہے :

حیثُ المساجدُ قد صارتْ کنائسَ ما
فیهنّ الاّ نواقیسٌ وصُلبانُ
حتّی المحاریبُ تبکی وهی جامدةٌ
حتّی المنابرُ ترثِی وهی عیدانُ
بالاَمْسِ کانوا ملوکاً فی منازِلِهم
والیومَ هُم فی بلادِ الکُفرِ عُبْدانُ
ولورأیتَ بُکاهُم عند بَیْعِهِم
لهَالَک الامرُوَ استَهوتْکَ اَحزانُ
یارُبَّ اُمٍّ وطفلٍ حِیْلَ بینهُما
کمَا تفرَّقُ اَرْواحٌ و اَبْدانُ

وطفلةٍ مثلَ حُسْنِ الشّمْسِ اذطلعَتْ
كانّمَا هی یاقُوتُ ومرْ جَانُ
یقوُدها العِلْجُ لِلْمکروهِ مُکْرَهةً
والعینُ باکیةٌ والقلبُ حیرانُ
لمثلِ هذا یذوبُ القلبُ من کَمَدٍ
اِن کان فی القلبِ اسلامٌ وایمانُ (۳۸)

,,جہاں مسجدیں گرجوں میں تبدیل ہو چکی ہیں
ان میں ناقوسوں اور صلیبوں کے سوا کچھ نہیں
محرابیں تک گریہ و زاری کرتی ہیں حالانکہ وہ ایک وجود جامد ہیں
منبر تک مرثیہ خواں ہیں حالانکہ وہ محض چوب خشک ہیں
(مسلمان) کل تک اپنے گھروں میں بادشاہ تھے
اور آج وہ بلاد کفر میں غلام ہیں
جس وقت انھیں فروخت کیا جاتا ہے اس وقت اگر تو ان کی آہ و بکا کو دیکھے تو یہ صورت حال تیرا دل ہلا دے اور غم و اندوہ تیرے ہوش اڑا دیں
کتنی مائیں اور بچے ہیں جن کے درمیان سنگینئ حالات حائل ہو گئی یوں جیسے روحوں کو جسموں سے جدا کر دیا جائے
کتنی بچیاں ہیں ، چڑھتے سورج کی طرح حسین
یوں گویا وہ یاقوت اور مرجان ہوں
کافر بے دین انھیں ناپسندیدہ صورت حال کی طرف زبردستی لئے جاتا ہے جبکہ آنکھ اشک بار ہے اور دل سرگشتہ و حیران ہے
یہ ایسی صورت حال ہے کہ غم و اندوہ سے دل اس پر پگھلا جاتا ہے

اگر دل میں کہیں اسلام اور ایمان کی رمق باقی ہو "

سقوط ممالک پر اجتماعی مرثیے یا شہر آشوب کی یہ روایت جس کا آغاز اندلس کے المیوں سے ہوا بعد میں بھی باقی رہی چنانچہ سقوط بغداد پر سعدی نے بڑا درد انگیز نوحہ لکھا :

آسماں را حق بود گر خوں بگرید بر زمیں
بر زوال ملک مستعصم امیر المومنین (۳۹)

قریب کے زمانے میں حالی نے دھلی مرحوم کی بڑے دل گداز انداز میں مرثیہ خوانی کی

تذکرہ دھلیٔ مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ
نہ سنا جائے گا ہم سے یہ فسانہ ہر گز (۴۰)

اور اقبال کو جب صقلّیہ (جزیرہ سسلی) میں تہذیب حجازی کا مزار نظر آیا اور انھوں نے اپنے دیدہ خوننابہ بار کو دل کھول کر رونے کی دعوت دی تو انھوں نے اجتماعی مرثیے کی اس روایت کے تسلسل کی طرف اشارہ بھی کیا :

نالہ کش شیراز کا بلبل ہوا بغداد پر
داغ رویا خون کے آنسو جہاں آباد پر
آسماں نے دولت غرناطہ جب برباد کی
ابن بدروں کے دل ناشاد نے فریاد کی
غم نصیب اقبال کو بخشا گیا ماتم ترا
چُن لیا تقدیر نے وہ دل کہ تھا محرم ترا (۴۱)

اجتماعی مرثیے کے علاوہ جس صنف سخن میں شعرائے اندلس نے اپنا خاص رنگ نکالا وہ وصف (Descriptive Poetry) ہے۔ جنگی معرکوں کی منظر کشی ، سیر و شکار کی منظر کشی ، مجالس لھو و لعب اور بزم ہائے جام و طرب کی منظر کشی وغیرہ وغیرہ مضامین

میں انھوں نے اپنے دقیق مشاھدات کو پیکر شعر میں ڈھالا لیکن اس میدان میں سب سے بڑھ کر جہاں ان کے جوہر کھلے وہ مناظر فطرت کا بیان تھا جس میں وہ اھل مشرق پر بازی لے گئے۔ سبزۂ و آب رواں، اشجار و طیور ، چاند ستارے ، محلاّت اور اُن کی آرائش و زیبائش جیسے موضوعات پر ان کے قلم نے مُوقلم کی سی باریکی دکھائی اور یہ اندلس کی حسین و جمیل فضاؤں کا طبعی تقاضا تھا ۔ وصفیہ شاعری کے اس عظیم الشان ذخیرے سے انتخاب اور پھر اس کی چند نمائندہ مثالیں پیش کرنا بھی اس مختصر سے مضمون میں ممکن نہ ہو گا ۔ ابن خفاجہ ابراھیم بن ابی الفتح (م ۵۳۳ ھ ۱۱۳۸ء) کو چونکہ ,,وصف الطبیعة ،، یعنی مناظر فطرت کی عکاسی میں نمایاں حیثیت حاصل ہے اس لئے اس کے چند اشعار پر نظر ڈالتے چلیں کہ آب رواں کی تصویر اس نے کس چابکدستی سے بنائی ہے اور اس میں کیا کیا رنگ صرف کئے ھیں :

متعطّف مثل السِّوارِ کأنّه
والزَّهْرُ یکنفه ، مجرُّ سمــاءِ
قدرَقّ حتی ظُنَّ قُرصــاً مُضرغاً
مِن فِضّةٍ فی بُردةٍ خَضراءِ
وغدَتْ تَحُفُّ به الغصـونُ کانّها
هُدْبٌ یَحُفُّ بِمُقلةٍ زَرقــاءِ
والرِّیْحُ تَعْبَثُ بالغُصُونِ وقد جَرَی
ذَهَبُ الاَصِیلِ عَلی لُجَینِ الماء (۳۲)

,,کنگن کی طرح بل کھایا ھوا
پھولوں میں گھرا ھوا (یہ پانی)
یوں لگتا ہے جیسے آسمان کی کہکشاں

اس درجہ لطیف کہ سانچے میں ڈھلا ہوا چاندی کا ایک تھال معلوم ہوتا ہے

جو ایک سبز چادر پر دھرا ہوا ہو
ڈالیاں اس کے گردا گرد یوں ہجوم کئے ہوئے ہیں
جیسے نیلگوں حلقۂ چشم کے گرد پلکیں ہوں
اور ہوا ٹہنیوں سے اٹکھیلیاں کر رہی ہے
جبکہ شام کا سونا پانی کی چاندی پر رواں ہے "

ابن خفاجہ ہی نے ایک اور موقع پر اندلس کی فضاؤں کو یوں خراج پیش کیا تھا :

یا اھلَ اَنْدَلُسٍ لِلّٰہِ دَرُّکُم مَاءٌ وظِلٌّ و اَنْھَارٌ و اَشْجَارُ
مَاجَنَّۃُ الْخُلْدِ اِلاَّ فِی دِیَارِکُم وَلَوْ تُخُیِّرْتُ ھذا کنتُ اَخْتَارُ (۴۳)

"اے اھل اندلس تمھارے کیا کہنے ہیں پانی اور سایہ اور دریا اور درخت
باغ خُلد اگر کہیں ہے تو تمھارے دیار میں ہے
مجھ سے اگر کہا جائے کہ دونوں میں سے کسی ایک کو اختیار کروں تو میں اِسی کو اختیار کروں "

اگر فردوس بر روئے زمین است
ھمین است وھمین است وھمین است

اگر طوالت کا خوف نہ ہوتا تو یہاں علی بن حصن کے وہ شعر بھی نقل کرنے کے لائق تھے جس میں اس نے شاخ پر بیٹھے ہوئے فاختہ کے بچے کے بال و پر کے ایک ایک ریشے کی زندگی سے بھر پور تصویر بنائی ہے یا ابن شہید کے وہ اشعار جن میں اس نے ابروباراں کی منظر کشی کی ہے یا ابن زیدون کا وہ قصیدۂ قاضیّہ جو اس نے مدینۃ الزھراء میں ولاّدہ کی یاد میں لکھا ۔ ابن زیدون اور ولاّدہ کا ذکر آ گیا ہے تو

اب ضروری ہے کہ ایک مختصر سی ملاقات ان دونوں سے ہو جائے کہ ان کے ذکر کے بغیر اندلسی شاعری کا تذکرہ نامکمل اور بے کیف ہے۔

ابو الولید احمد بن عبداللہ ، ابن زیدون (م ۴۶۳ ھ/ ۱۰۷۱ ء) بعض نقّادوں کی رائے میں اندلس کا سب سے بڑا شاعر تھا ۔ جس زمانے میں اس نے نشوونما پائی وہ اندلس میں سخت سیاسی خلفشار کا زمانہ تھا ۔ جو بالآخر ابن زیدون کے وطن قرطبہ میں ابو الحزم ، ابن جَہْوَر کی بالادستی پر منتج ہوئی ۔ حسن اتفاق سے ابن زیدون کا شمار ابن جہور کے حامیوں میں ہوتا تھا اور اُس کے بیٹے ابو الولید سے اس کے دوستانہ روابط تھے ۔ نتیجہ یہ کہ ابن زیدون ـــ جو بیس برس کی عمر ہی سے اپنے ملکہ شعر گوئی کا لوہا منوا چکا تھا ۔ اب سیاسی اہمیت سے بھی بہرہ یاب ہوا ۔ ابن جہور نے اسے قلمدان وزارت سونپا اور سفارت کا کام بھی لیا ۔ معلوم یہ ہوتا تھا کہ وہ دنیوی کامرانیوں کے زینے بڑی تیزی سے طے کرے گا کہ عشق کے اندھے صیّاد نے اپنا تیر اس پر چلایا اور وہ ولاّدہ کی زلف گرہ گیر کا اسیر ہو گیا ۔

ولاّدہ ، اپنے دور کی قتّالۂ عالم ، ایک سابق خلیفہ المستکفی کی بیٹی تھی ۔ حسن و جمال کے علاوہ وہ ذہانت و فطانت اور شعر گوئی و ادب شناسی میں یکتا تھی ۔ پروفیسر حتّی نے اسے ,,ہسپانیہ کی سیفو ،، قرار دیا ہے (۴۴) ۔ قرطبہ میں اس کا مکان شعراء و ادباء کا مرجع تھا ۔ المقّری کے بقول تمامتر ظاہری بے حجابانہ انداز کے باوصف ، اس کی عفّت مسلّم تھی (۴۵) ۔ تاہم اگر وہ بعض اشعار جو خود مقّری نے اس سے منسوب کئے ہیں واقعی اُس کے ہیں تو کم از کم گفتار کی حد تک اس کی بے حجابی فحش گوئی کو جا پہنچتی تھی (۴۶) ۔ بطرس البستانی کے تخیّل نے ولاّدہ کی تصویر خوب بنائی ہے :

,,وكانت ولاّدة اديبة مثقّفة تميل الى الادباء وتعاشرهم وماجنة لعوبا تعبث بالقلوب و تحطمها ، تمنح مودّتها لمن تشاء و تستردّها متى تشاء ، فلم تكن فى ودّها كاذبة ، ولا فى رجوعها عنه غادرة وانما هو طبعها المرح الهازئ يستلذّ خفقان القلوب فتتبدّل واحدا بعد آخر كما تنقّل الفراشة من زهرة الى زهرة " ـ (۴۷)

,,ولاّدہ ایک شائستہ ادیبہ تھی ـ ادیبوں سے دل چسپی اور ان سے میل جول رکھنے کا اس میں رجحان تھا ـ بے باکانہ دل لگی اور ہنسنا کھیلنا اس کی طبیعت کا حصہ تھا ـ وہ دلوں سے کھلونوں کی طرح کھیلتی تھی اور انھیں توڑ ڈالتی تھی ـ جسے چاہتی اپنی محبت سے شاد کام کرتی اور جب چاہتی یہ عنایات واپس لے لیتی ـ نہ وہ اپنی محبت میں جھوٹی تھی اور نہ اس سے پھر جانے میں بے وفائی کو دخل تھا ـ بس اس کی چونچال ، ہنسوڑ سرشت کا تقاضا ہی یہ تھا کہ دلوں کو تڑپانے میں اُسے مزا آتا تھا چنانچہ وہ یکے بعد دیگرے نئے سے نئے دل پر کمند ڈالتی رہتی تھی جیسے کوئی تتلی ایک پھول سے اڑ کر دوسرے پر جا بیٹھتی ہے " ـ

ولاّدہ ابن زیدون پر بھی مہربان ہوئی چنانچہ کہا جاتا ہے کہ اُس نے ابن زیدون کے نام ایک موقع پر یہ پیغام بھیجا :

ترقّبْ اذا جنَّ الظلامُ زيارتى
فانّى رأيتُ الليلَ اكتمَ للسِّرِّ
وبى منك ما لوكان بالبدرِ ما بدا
وبالليلِ ، ما ادجىٰ وبالنَّجمِ لم يَسْرِ (۴۸)

,,جب اندھیرا خوب چھا جائے تو میری ملاقات کا منتظر رہنا کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ رات کا وقت راز داری کے لئے زیادہ موزوں ہے تیرے سبب سے میری جو کیفیت ہے اگر مہ کامل کی

ہوتی تو وہ جلوہ گر نہ ہو سکتا اور اگر رات کی یہ کیفیت ہوتی تو تاریک ہونا اس کے لئے ممکن نہ رہتا اور اگر ستارے کی ہوتی تو سفر شب اس کے لئے دشوار ہو جاتا،،

ادھر وزیر ابو عامر ابن عبدوس بھی ولاّدہ کے دلدادگان میں تھا ۔ اور ولاّدہ کی عنایات سے سراسر محروم بھی نہ تھا ۔ ابن زیدون کا دل رقابت کی آگ میں جلتا تھا مگر مجبور تھا ۔ وزیر ابن عبدوس کے لقب ,,الفار،، (چوہا) سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے اس نے اپنے دل کو یوں سمجھایا :

عیّر تُمونا بِاَنْ قد صـــار یخلفنـــا
فی من نُحِبّ ، ومـــا فی ذاک من عارِ
اَکْلٌ شَهِیٌّ، اصَبْنَا مـــن اَطَایِبِهِ
بعضاً ، وبعضاً صفَحْـــنا عنـــهُ للفـــارِ (۳۹)

,,تم نے ہمیں یہ طعنہ دیا ہے کہ یہ شخص ہمارے بعد ہمارے محبوب کے پاس ہوتا ہے ۔ اس میں عار کی کیا بات ہے
ایک لذیذ غذا تھی جس کے بعض صاف ستھرے حصے ہمارے تصرّف میں آئے اور بعض حصے ہم نے خود ہی ,,چوہے،، کے لئے چھوڑ دئے ،، ۔

اسی رقیبانہ چپقلش میں ابن زیدون نے ولاّدہ کی زبانی ابن عبدوس کے نام وہ مشہور مکتوب لکھا جو ,,رسالۃ ابن زیدون ،، کے نام سے اندلس کے نثری ادب میں یادگار ٹھہرا اور بعد کے زمانوں میں کئی ادیبوں نے اس کی شرح لکھی ۔ یہ مکتوب ، نادر ادبی تلمیحات کا ایک مرقّع تھا جن کے حوالے سے ابن عبدوس پر سخت کیچڑ اچھالی گئی تھی ۔اس کشمکش کے نتیجے میں ابن عبدوس نے ابن زیدون کے بعض اور مخالفین سے ساز باز کر کے ابو الحزم ابن جَهْور کو اس سے

بدگمان کر دیا ۔ چنانچہ اس نے ابن زیدون کو جیل میں ڈلوا دیا ۔ ابن زیدون نے امیر ابن جھور کے نام بہت سے قصیدے مدح و شکایت کے لہجے میں لکھے ۔ اُس کے بیٹے ابو الولید کو درمیان ڈالنا چاہا مگر کچھ فائدہ نہ ہوا اور کئی برس اُس قیدوبند کی صعوبت جھیلنا پڑی زنـدان کے انہی تلخ ایام میں وہ شاعری بھی تخلیق ہوئی جو ولاّدہ کی شیریں یادوں سے عبارت تھی ۔

اس کے بعد کے واقعات میں اختلاف ہے ۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ ابو الولید نے بالآخر ابن زیدون سے حق دوستی نبھایا اور باپ سے سفارش کر کے اسے زنداں سے نکلوایا ۔ بعض کا خیال ہے کہ وہ خود قید خانے سے فرار ہو گیا ۔ ہاں اس بات کا امکان ہو سکتا ہے کہ اس فرار میں ابو الولید نے اسے مدد دی ہو ۔ کچھ عرصہ وہ قرطبہ ہی میں روپوش رہا اور ولاّدہ کی یاد میں پر سوز شاعری کرتا رہا ۔ اسی اثناء میں ابو الحزم ابن جھور کا انتقال ہو گیا اور ابو الولید نے خود مسند امارت سنبھال لی ۔ اب پھر ابن زیدون کے دن پھرے اور پرانی حیثیت بحال ہوئی ۔ اس سے سفارت کا کام لیا گیا اور جہاں جہاں وہ گیا اس نے بہت اچھا تاثّر چھوڑا ۔ اس کا ایک نتیجہ یہ بھی ہوا کہ درمیان میں کچھ عرصے کے لئے ابو الولید بھی اس سے بدظن و سرگراں ہو گیا لیکن جلد ہی یہ گرہ جاتی رہی ۔ تاہم گمان گزرتا ہے کہ شاید خود ابن زیدون کے آئینہ دل پر کچھ غبار رہ گیا ۔ چنانچہ رفتہ رفتہ اس نے اپنے سفارتی اثر و رسوخ سے فائدہ اٹھا کر اشبیلیہ کے حکمران ۔ معتمد کے والد ـــ عبّاد بن محمد المعتضـد باللہ سے تعلقات استوار کر لئے اور قرطبہ کو چھوڑ کر ـــ جو ولاّدہ کے بعد اس کے لئے دوسری عزیز ترین چیز تھی ۔ المعتضد ہی کے دربار میں منتقل ہو گیا ۔ عین ممکن ہے کہ اس میں ولاّدہ کے ہر جائی پن اور اس کی

سرد مہری کو بھی دخل ہو کیونکہ کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ اُس عشق کا منطقی انجام کیا ہوا ۔

اشبیلیہ میں ابن زیدون نے اچھے دن دیکھے ۔ وہ معتضد کی مدح میں قصائد کہتا رہا ۔ معتضد نے اس سے دوستانہ سلوک رکھا اور اسے بیک وقت وزارت عظمی وسالاری افواج کے مناصب سونپ کر ,,ذوالوزارتین ،، ,,دو وزارتوں والا ،، ــ (یعنی وزارت سیف وقلم) کا خطاب دیا ۔ معتضد کے بعد معتمد نے بھی اس کے ساتھ یہی حسن سلوک برقرار رکھا اور اس کے فن کی بڑی قدردانی کی ۔ دونوں باہم جو ادبی حظ اٹھاتے تھے اس کا ایک نمونہ وہ منظوم پہیلیاں ہیں جو وہ ایک دوسرے کو بھیجتے تھے اور پھر ان کا حل بھی نظم میں پیش کیا جاتا تھا ۔ یہ پہیلیاں دیوان معتمد کے حصہ ,,المعمّیات ،، میں دیکھی جا سکتی ہیں (۵۰)۔

ابن زیدون کو قرطبہ سے جو عشق تھا شاید اسی کے سبب وہ رفتہ رفتہ معتمد پر اثر انداز ہوا اور اسے عملاً قرطبہ پر لشکر کشی کر کے اسے بنو جہور سے چھین لینے پر آمادہ کر لیا ۔ اب معتمد کا دربار عارضی طور پر قرطبہ منتقل ہو گیا اور ابن زیدون اپنی فردوس گم گشتہ میں واپس پہنچ گیا ۔ شاید یہ اس کی زندگی کا آسودہ ترین زمانہ تھا جس میں گرتی ہوئی صحت اور ولاّدہ کی یاس انگیز یادوں کے سوا غالباً اور کوئی چیز خلل انداز نہ تھی ۔ لیکن سات آسمان رات دن گردش میں ہیں اور ابن آدم کو خبر نہیں ہوتی کہ یہ گردش کہاں اس کے لئے کیا جال بُن رہی ہے ۔ معتمد کے قرب ، سیاسی وجاہت، ادبی حیثیت اوز قرطبہ کو واپسی یہ سب ایسی نعمتیں نہ تھیں کہ بعض دلوں میں حسد کا کانٹا بن کر نہ چبھتیں ۔ معتمد کا دوسرا شاعر دوست اور سیاسی معتمد ، ابوبکر بن عمّار اور ابن مرتین

درپردہ اس حسد میں پیش پیش تھے۔ شومیٔ قسمت سے اشبیلیہ میں انہی دنوں مسلمانوں اور یہودیوں میں فساد ہو گیا ۔ معتمد نے اس فتنے کو دبانے کے لئے اپنے بیٹے الحاجب سراج الدولہ کو ایک لشکر کی کمان دے کر قرطبہ سے اشبیلیہ روانہ کیا اور اس کے ہمراہ کچھ علماء اور بعض سر برآوردہ لوگوں کا ایک وفد بھی بھیجا ۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ابن عمّار اور ابن مرتین نے معتمد کو مشورہ دیا کہ ابن زیدون کو اشبیلیہ میں خاصا اثر و رسوخ حاصل ہے لہذا اسے بھی اس وفد میں شامل کرنا مناسب ہو گا ۔ معتمد کے حکم پر چار و ناچار اسے یہ سفر اختیار کرنا پڑا جو اس کی گرتی ہوئی صحت کے سبب اس کی زندگی کا آخری سفر ثابت ہوا ۔ وطن کی خاک میں شاید کچھ ایسی کشش نہ تھی ۔ چنانچہ وہ اشبیلیہ ھی میں مدفون ہوا ۔ قرطبہ سے دور جس کا وہ عاشق زار تھا اور جس کی یاد میں اس نے ایام اسیری کے دوران اپنی مشہور طویل مخمّس کہی تھی :

اقرطبةُ الغرّاءُ هــل فيكِ مَطْمَعُ
وهَلْ كَبِدٌ حَرّى لبَيْنِكِ تَنْقَعُ
وهل لِلَيَا لِيكِ الحمــيدةِ مَرجعُ
اِذِ الْحُسنُ مَرْأىً فيكِ و اللّهْوُ مَسْمَــعُ
و اِذ كَنَفُ الدنيا لديكِ مُوطَّــأُ
نهارُكِ وضّاحٌ وليلُكِ ضِحْيَانُ
وتُربُكِ مصبوحٌ وغُصنُكِ نَشْــوَانُ
وارُضكِ تُكْسى حينَ جَوُّكِ عُــريانُ
ورَيّاكِ رَوْحٌ للنفوسِ ورَيحــانُ
وحسبُ الاَمَانِي ظِلُّكِ المُتَفيّــأُ (۵۱)

,,اے حسین و درخشاں قرطبہ کیا تیری آرزو کرنے کی گنجائش

ھنوز باقی ہے
اور کیا اس جگر کی پیاس بجھنے کا کوئی امکان ہے جو تیری جدائی کے سبب تشنہ ہے
اور کیا تیری مرغوب و پسندیدہ راتیں پلٹ کر آ سکتی ھیں ۔
کہ جب تجھ میں حسن جنت نگاہ تھا اور ھنسی دل لگی کی باتیں فردوس گوش اور جب دنیا تیری فضاؤں میں ھموار و سازگار تھی ۔
جب تیرے دن چمکیلے تھے اور راتیں بے ابر
اور تیری خاک صبوحی پئے ھوئے تھی اور تیری شاخ سرمست
اور تیری زمین لباس (سبزہ) میں مستور تھی جبکہ تیری فضا بے لباس تھی اور تیری مہکار دلوں کے لئے راحت ورزق کی حیثیت رکھتی تھی
اور تیرے سائے کی پناہ ، آرزوں کا منتہائے مقصود تھی "

ابن زیدون کی شاعری میں مدح ، مرثیہ ، عشقیہ کلام اور گلۂ دوستانہ کی اصناف زیادہ نمایاں ھیں ۔ شعرائے اندلس میں ، ممکن ہے ، مخمّس گوئی میں اولیت اسے حاصل ھو لیکن مشرق میں اس صنف کے بعض نمونے پہلے سے موجود بتائے جاتے ھیں مثلاً بشّار بن بُرد کے مخمسّات جو اس نے محض دل لگی کے طور پر کہے ۔ (۵۲) لہذا ابن زیدون کو مخمّس کا موجد قرار دینا مشکل ہے ۔ اس کی شاعری کا بہترین حصہ وہ تصور کیا گیا ہے جو اس نے ایام اسیری میں یا قرطبہ کے فراق میں یا ولاّدہ کی یاد میں تخلیق کیا ۔ زنداں سے فرار کے بعد اس نے ولاّدہ کے نام ایک نونیہ قصیدہ لکھ کر بھجوایا تھا ۔ Garcia Gomez کی رائے میں "یہ اندلسی مسلمانوں کی لکھی ھوئی سب سے خوبصورت عشقیہ نظم ہے (۵۳) . . . ۔ " اسی کے چند منتخب اشعار پر

هم ابن زیدون کا تذکرہ ختم کرتے ھیں (اشعار کی ترتیب میں ہم نے کچھ تقدیم و تاخیر سے کام لیا ہے) :

خالَــتْ لفقـدِ کُمُ ایّامُنافغدَتْ
سُوداً وکانـت بِکُم بِیضـاً لیـا لِیْنا
اذ جانــبُ العیشِ طَلْــقٌ مِنْ تالُفِنا
ومــوردُ اللّھْــوِ صافٍ من تَصَافِیْنا
واذھصَرْنَـا غصــونَ الاُنس دانیَـةً
قطوفُهــا، فجَنَیْنَـا منـه مـا شِیْنــا
انّ الزمــانَ الــذی ما زالَ یُضحِکُنَا
اُنســاً بِقُــربِکُمُ قَــد عَادَ یُبْکِیْنــا
غِیْظَ العِـدیٰ من تَساقِیْنا الھویٰ فدَعَوا
بِاَنْ نَغُضَّ فقــالَ الدّھــرُ آمِیْنــا
کاَنّنَــا لم نَبِــتْ والَوصْــلُ ثالِثُنــا
والسَّعْـدُ قـد غضَّ مِن اَجفــانِ وَاشِیْنــا
سِرّانِ فـی خاطِرِ الظَّلْمَـاءِ یَکْتُمُنـا
حتّٰی یکادَ لســانُ الصَّبْــحِ یُفشِیْنــا
لاتحسَبُــوا نأیَــکُمْ عنَّــا یُغیِّرُنــا
انْ طالَمَــا غیَّــر النّــأیُ المُحِبِّیْنَــا
واللهِ ماطَلَبَــتْ اھوؤُنــا بـدَلاً
منکُم ولا انصَـرَفتْ عنکم اَمَــانِیْنـا (۵۴)

,,تم کیا بچھڑے ہمارے دن ھی پلٹا کھا گئے اور سیاہ فام ھو گئے حالانکہ تمہارے ھونے سے ہماری راتیں بھی درخشاں ھوا کرتی تھیں وہ زمانہ کہ جب ہماری یکجائی کے سبب پہلوئے زیست خوشگوار تھا اور ہمارے دلوں کی صفائے باھمی کے باعث

چشمۂ لطف و طرب صاف شفاف تھا
جب ھم نے انس و محبت کی ڈالیوں کو ، جن کے پھل ھماری دسترس میں تھے ، اپنی طرف جھکایا اور اپنی امنگوں کے مطابق جی بھر کر خوشہ چینی کی وھی زمانہ جو اب تک ھمیں تمھارے قرب مانوس میں ھنسایا کرتا تھا
اب ھمیں رُلانے لگا ہے
ھمیں باھم جام محبت پیتے پلاتے دیکھ کر دشمنوں کے دل میں آتش غیظ بھڑک اٹھی انھوں نے بددعا دی کہ (اس جام سے) ھمیں پھندا لگ جائے ؛ تو زمانے نے اس پر آمین کہا
یوں محسوس ھوتا ہے کہ ھم دونوں نے وہ راتیں کبھی نہیں گزاریں جن میں اگر کوئی تیسرا تھا تو وہ خود ,,وصال،، تھا
اور بخت سازگار نے ھمارے بدخواہ کی نگاھیں نیچی کر رکھی تھیں ھم دونوں شب تاریک کے ضمیر میں دو رازوں کی طرح ھوتے تھے جنھیں ,وہ پوشیدہ رکھتی تھی
تاآنکہ صبح کی زبان اُن کے افشا پر آمادہ ھو جاتی تھی
یہ گمان دل میں نہ لانا کہ تمھاری جدائی سے ھماری محبت میں کچھ فرق آ سکے گا
گو بسا اوقات جدائی سے عاشقوں کی محبتیں متاثر ھو جاتی ھیں
بخدا ، ھماری محبتوں نے تمھارا کوئی بدل تلاش نہیں کیا اور نہ ھماری آرزوؤں کا رخ تمھاری طرف سے پھرا ہے ، ۔

اندلس کا ایک اور قابل ذکر شاعر محمد ، ابن ھانی (م ۳۶۲ ھ/۹۶۳ ع) ہے جسے ,,متنبّئ الغرب ،، ,,مغرب کا متنبّی ،، کہا جاتا ہے ۔ اس کی پیدائش عبدالرحمان الثالث کے دور میں اشبیلیہ میں

ہوئی ۔ تعلیم قرطبہ میں پائی عربی شاعری کا ایک بہت بڑا ذخیرہ اس کے حافظے میں محفوظ تھا ۔ عقیدۃً غالی شیعہ تھا اور عملاً لذّت پرست ۔ عقلاً اس کا میلان فلسفیانہ افکار کی طرف تھا ۔ انھی اسباب سے اشبیلیہ میں فضا اس کے خلاف ہو گئی ۔ امیر اشبیلیہ چونکہ اس پر مہربان تھا لہذا وہ بھی مطعون ہوا ۔ چنانچہ اسی کے مشورے پر ابن ھانی سمندر عبور کر کے مراکش آ گیا ۔ یہاں اس کا ربط ضبط فاطمیوں کے جرنیل جوہر سے ہو گیا اور رفتہ رفتہ وہ فاطمی خلیفہ المعز بن المنصور کی نظر میں آگیا اور اس کی مدح کہتا اور انعام پاتا رہا ۔ فتح مصر کے بعد جب فاطمیوں نے اپنا پایۂ تخت مصر منتقل کیا تو ابن ھانی ، کچھ دور مصاحبت کے بعد ، اس ارادے سے واپس آیا کہ اھل و عیال کو ھمراہ لے کر پھر خلیفہ کے دربار سے مستقلاً منسلک ہو جائے ۔ چنانچہ تیار ہو کر چلا مگر ,,برقہ،، کے مقام پر پہنچا تھا کہ پر اسرار حالات میں اس کی موت واقع ہو گئی جس کی مختلف توجیہات کی گئی ھیں ۔ ابن ھانی کی عمر اس وقت بعض روایات کے مطابق چھتیس اور بعض کے مطابق بیالیس سال تھی ۔ کہتے ھیں کہ خلیفہ المعز نے اس کی موت کی خبر سن کر بہت تاسّف کیا اور کہا ,,اس شخص سے ھمیں یہ امیدیں تھیں کہ اسے فخریہ شعرائے مشرق کے مقابلے میں لا سکیں گے مگر قسمت نے ھمارا ساتھ نہ دیا ۔ (۵۵)

ابن ھانی کے کلام میں معنی سے بڑھ کر لفظ پر توجّہ ہے ۔ گھن گرج بہت ہے مگر مفاھیم بہت کم ھیں مثلاً

هذا الاَغَرُّ الاَزهرُ المُتَألِّقُ الــمُتدفِقُ المتبلِّجُ الــوَضّاءُ
لِلنّاسِ اِجماعُ على تفضِيْلِهِ حتّى استَوىَ اللُّوَماءُ و الكُرَمَاءُ
واللُّكنُ والفُصَحَاءُ والبُعَداءُ والقُرَبَاءُ والخُصَمَاءُ والشّهُدَاءُ (۵٦)

,,یہ درخشندہ جبیں ، روشن چہرے والا ، چمکتا ہوا ، رواں دواں ، دمکتا ہوا ، حسین ونظیف ، سبھی لوگ اس کی فضیلت پر متفق ہیں ، تاآنکہ اس (اتفاق) میں یکساں طور پر شریک ہیں لئیم اور کریم اور ژولیدہ بیاں اور فصیح اور غیر اور اپنے اور مخالف اور موافق "

غالباً اسی جزالت لفظی کی بنا پر اسے متنبّی کا مثیل سمجھ لیا گیا ورنہ اس کے ہاں متنبی کی سی اختراعی صلاحیت نہیں پائی جاتی ۔ فطرت کی منظر نگاری اور حب الوطن جو اندلسی شعراء کا عمومی امتیاز ہیں،ابن ہانی کے ہاں نہ ہونے کے برابر ہیں ۔ اس کی توجہ ان موضوعات سے زیادہ سیاست یا شراب پر رہی۔وصفیہ (Descriptive) شاعری میں اس نے جنگوں ، لشکروں ، ہتھیاروں وغیرہ کا بیان اپنے مخصوص اسلوب میں کیا ہے ۔ مگر یہ کچھ نبھ نہیں سکا ۔ البتہ المُعِز کے بحری بیڑے کی تصویر کشی میں وہ کامیاب نظر آتا ہے ۔ ابن ہانی نے اپنے غُلوّ عقیدہ کا اظہار خلیفہ المعز کے مدحیہ قصیدوں میں اس شدت سے کیا کہ بعض اوقات کفر و زندقت کی حدود کو جاچھوا (۵۸)

دقائق علمی ، مسائلِ فقہی اور لطائف شعری ایک سینے میں مشکل سے جمع ہوتے ہیں ۔ علماء اگر اپنی قادر الکلامی کی بنیاد پر شعر کہتے بھی ہیں تو وہ عموماً بوجھل قسم کی شاعری ہوتی ہے ۔ لیکن قرطبہ کی خاک نے علی بن احمد ، ابن حزم (م ۴۵٦ ھ/ ۱۰٦۴ ع) کو جنم دے کر ابو نواس کے اس قول پر مہر تصدیق ثبت کر دی :

لیسَ مِن اللهِ بمُستَنْکَرٍ　　　　اَن یَجْمعَ العَالَمَ فی واحِدِ

فلپ ۔ کے ۔ حِتّی نے ابن حزم کو اندلس کی اسلامی تہذیب کا سب

سے بڑا عالم اور سب سے اچھوتا مفکّر نیز مجموعی اعتبار سے دنیائے اسلام کے دو یا تین زرخیز ترین اذھان اور نہایت بھر پور مصنفین میں سے ایک قرار دیا ہے (۵۸)۔ اُس کا باپ ، منصور الحاجب اور اس کے بیٹے کا وزیر تھا چنانچہ ابن حزم کو اعلی تعلیم حاصل کرنے کے بہتر سے بہتر مواقع ملے اور اس نے خود بھی عبدالرحمن المستظھر اور ھشام المعتمد کا قلمدان وزارت سنبھالا ۔ سیاست کی راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے ابن حزم پر بھی گزری اور جاہ و منصب کی حلاوت کے ساتھ ساتھ اسے جلاوطنی اور قید و بند کی تلخیاں بھی برداشت کرنا پڑیں ۔ خلافت امویہ کے انحلال کے بعد اس نے خود کو صرف علمی و ادبی مشاغل کے لئے وقف کر دیا جو ھمیشہ سے اُس کی روح کا اصل تقاضا تھے ۔

ابن بشکوال نے قاضی ابو القاسم صاعد بن احمد کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ابن حزم تمام اھل اندلس میں اسلامی علوم کا سب سے بڑا امین تھا اور زباندانی ، بلاغت ، شاعری ، سوانح اور تاریخی واقعات سے بہرۂ وافر پانے کے ساتھ ساتھ وہ عام وسعت علمی میں بھی سب سے بڑھ کر تھا (۵۹)۔ اس کے بیٹے ابو رافع الفضل کا کہنا ہے کہ اس کے پاس اس کے والد کے قلم سے لکھی ہوئی چار سو جلدوں کے قریب تالیفات تھیں جو تقریباً اَسّی ھزار اوراق پر مشتمل تھیں (۶۰)۔ ان کتابوں کے موضوعات کا تنوّع دیکھ کر ان کے مؤلف کی برپناہ صلاحیتوں اور بوقلموں صفات کا کچھ اندازہ ہوتا ہے۔ فقہ ، حدیث، تاریخ ، انساب ، تقابل ادیان ، منطق ، کیا ہے جو یہاں موجود نہیں ۔ فقہ میں کچھ عرصہ شافعی مسلک کی پیروی کے بعد وہ ظاھری مسلک کا پر جوش مبلّغ بن گیا اور اسی نسبت سے ابن حزم الظاھری کے نام سے پہچانا گیا ۔ اپنی برّاقیء طبع کے زور میں اس نے

فقہائے سلف پر اس قدر کڑی نکتہ چینی کی کہ اس کی زبان کو حجّاج بن یوسف کی تلوار کا ہمزاد قرار دیا گیا ۔ نتیجہ یہ کہ فقہائے وقت اس کے خلاف یک زباں ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے اور اس کی گمرہی پر اتفاق کیا (٦١)۔ اس کی کتابیں نذر آتش کر دی گئیں جس پر اس کا تبصرہ یہ تھا :

وإنْ تحرِقُوا القِرطاسَ لاتحرِقُو الّذی
تَضَمنّهُ القِرطاسُ بل هَو فی صدْرِی
يَسِيْرُ مَعِی حيثُ استقلّتْ ركائِبِی
وينزِلُ إنْ أنْزِلْ ويُدْفَنُ فِی قبْرِی (٦٢)

,,کاغذ کو اگر تم جلا بھی دو تو کیا ہے
جو کچھ کاغذ میں درج ہے اس کو تم نہیں جلا سکتے ، بلکہ
وہ میرے سینے میں محفوظ ہے
جہاں جہاں میری سواری جاتی ہے یہ (علم) میرے ساتھ
چلتا ہے اور جب میں پڑاؤ ڈالتا ہوں تو یہ بھی پڑاؤ ڈالتا ہے اور
یہ میرے ساتھ ہی قبر میں دفن ہو گا ،،

بہرحال اس کے خلاف ردّ عمل کے دباؤ میں آ کر امرائے عصر بھی اس کی حمایت سے دستکش ہو گئے ۔ بالآخر وہ ,, مَنْت لِيْشَم ،، نامی (٦٣) ایک دیہہ میں ، جو اس کی ذاتی جاگیر تھا، فروکش ہو گیا اور وہیں وفات پائی ۔

لیکن علمی جاہ و جلال اور فقہی مناظرہ و جدال کی اس سنگین زرہ کے نیچے ابن حزم کے سینے میں کس قدر درد مند اور نرم و گداز دل دھڑک رہا تھا ۔ اس کا اندازہ ہمیں اس کی کتاب ,,طوقُ الحمامہ ،، (فاختہ کی کنٹھی) سے ہوتا ہے جس کا انگریزی ، روسی، فرانسیسی اور جرمن زبانوں میں ترجمہ اس کی اہمیت و مقبولیت پر

روشنی ڈالتا ہے۔ ابن حزم کے شعر میں وہ فطری سلیقہ ، گھلاوٹ ، شدت احساس اور روانی ہے کہ یقین نہیں آتا کہ یہ اُسی ٹھیٹھ فقیہ کے اشعار ہیں جو ,,المحلّی ،، میں بولتا نظر آتا ہے۔ شاعری سے اسے کیسی طبعی مناسبت تھی اس کا اندازہ ابو عبداللہ اَلحُمیدی کے اس قول سے ہوتا ہے کہ :

,,مارأیتُ من یقولُ الشعرَ علی البدیھۃِ أسرعَ منہ ،،

,,میں نے فی البدیہہ شعر گوئی میں ابن حزم سے تیز کسی کو نہیں دیکھا ،، (٦٣)۔

اپنے دور کے عام شعری اسلوب کے برخلاف ابن حزم مجاز ، تشبیہ اور بلاغت کے دیگر ڈھلے ڈھلائے ، محسّناتِ لفظی و معنوی پر ضرورت سے زیادہ زور نہیں دیتا ۔ نہ فکری مبالغے سے کام لیتا ہے اور نہ لفظی گھن گرج کو اپنا مقصود بناتا ہے۔ اس کے ہاں جذبے کا سیدھا سادا فطری اظہار ملتا ہے جس کے پس منظر میں ایک عمیق احساس بولتا نظر آتا ہے۔

اس کی کتاب ,,طوق الحمامۃ ،، کا پورا نام ,,طوق الحمامہ فی الأُلفۃ والأُلاّف ،، ہے۔ کتاب کے حرف آغاز سے پتہ چلتا ہے کہ ابن حزم کے ایک پرانے دوست نے المَرِیّۃ سے اُس کے نام شاطبہ کے دورِ سکونت میں ایک خط لکھا جس میں اُس سے فرمائش کی گئی تھی کہ محبّت، اس کے مفاہیم اور اسباب و احوال پر ایک رسالہ ترتیب دے ۔ ابن حزم نے ـــــ جس پر تدیّن بے حد غالب تھا ـــ اگرچہ آغاز میں یہ کہا ہے کہ مدتِ عمر مختصر ہے جسے سوائے فکر آخرت کے کسی شے میں صرف کرنا مناسب نہیں ، تاہم اُس دوست کی خاطر اُسے بہت عزیز تھی چنانچہ بعض اقوال و روایات کا سہارا لے کر جن میں ,,لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے ،، کا مضمون

بیان ہوا ہے اُس نے اس فرمائش کو ,,طوق الحمامہ،، کی صورت میں پورا کیا ہے۔ اس کتاب کو مجموعی اعتبار سے نفسیات عشق کا ایک دقیق تجزیہ کہا جا سکتا ہے جو ابن حزم نے ذاتی تجربات و مشاہدات کی اساس پر پیش کیا ہے۔ مختلف ابواب میں عشق و محبت کے مختلف مدارج و احوال و اقسام پر روشنی ڈالتے ہوئے بہت سے واقعات نقل کئے گئے ہیں جن کے لبّ لباب کو ابن حزم نے جابجا اپنے اشعار سے واضح کیا ہے اور اس طرح اس کے کلام کا ایک اچھا خاصا مجموعہ محفوظ ہو گیا ہے۔ ,,طوق الحمامہ،، ہر چند کہ تمام تر آپ بیتی نہیں تاہم ابن حزم کی اخلاقی جرأت کی داد دینا پڑتی ہے کہ اس نے گاہے گاہے آپ بیتی بیان کرنے میں بھی ہچکچاہٹ محسوس نہیں کی اگرچہ دوسروں کے نام ظاہر کرنے میں احتیاط سے کام لیا ہے۔ کتاب کی نظم و نثر دونوں اس کے ملکۂ ادبی اور ذوق شعری کا ثبوت ہیں۔ حتّی نے بجا طور پر کہا ہے کہ ابن حزم نے اس کتاب میں عشق پاکباز (Platonic Love) کی برتری پر زور دیا ہے (٦٥)۔ چنانچہ آخری دو ابواب ,,قُبح المعصیۃ،، اور ,,فضل التعفّف،، میں عفّت و پاک دامنی کی اہمیت پر زور دیا گیا ہے اور ہوسناکی کی بدانجامی پر ایک فقیہ و عالم دین کے انداز میں وعید شدید سنائی گئی ہے۔ آخر کتاب میں ابن حزم کا لہجہ معذرت خواہانہ ہو گیا ہے کیونکہ اسے یہ احساس ہے کہ بعض کٹّر لوگ اس کتاب کی تالیف پر اعتراض کریں گے۔

ایک مقام پر یہ بحث کرتے ہوئے کہ آیا ,,وصل میں مرگِ آرزو،، کا تصوّر درست ہے وہ اس سے اختلاف کرتا ہے اور ذاتی تجربے کے حوالے سے بتاتا ہے کہ وصل سے تو آتش شوق اور تیز ہوتی ہے اور محب کا دل محبوب سے کبھی نہیں بھرتا۔ اس ضمن میں اس نے اپنے یہ شعر نقل کئے ہیں۔

وَدِدتُ بانّ القلبَ شُقَّ بِمُدْيَةٍ
وأُدْخِلْتِ فيهِ ثُمّ أُطْبِقَ فی صَدْرِی
فَاَصْبَحْتِ فيهِ لا تَحُلِّينَ غَيْرَهُ
اِلى مُقْتَضىٰ يومِ القيَامةِ وِالْحَشْرِ
تَعِيْشِيْنَ فيهِ ماحَيِيْتُ فَاِنْ اَمُتْ
سَكَنْتِ شَغافَ القَلْبِ فی ظُلَمِ القَبْرِ (٦٦)

,,میری خواهش ہے که میرا دل کسی دشنے سے چیرا جائے اور—
(اے محبوبه) تجھے اس کے اندر رکھ دیا جائے اور پھر اُسے
(دوباره) میرے سینے میں بند کر دیا جائے۔
سو تو وهیں کی هو رهے اور قیامت و حشر تک ، کسی اور دل
میں نه اتر سکے
جب تک میں زنده رهوں تو اسی میں زنده رهے
اور اگر میں مر جاؤں تو تُو قبر کی تاریکیوں میں بھی میرے نہاں
خانهٔ دل میں هی مقیم رهے "۔

ایک اور مقام پر یه بحث اٹھاتا ہے که شعراء نے ,,تصوّرِ محبوب "
کو اس قدر اهمیت کیوں دی ہے۔ اس سلسلے میں مختلف آراء نقل
کرنے کے بعد اپنے یه شعر لاتا ہے جن میں محبوب کے خواب و خیال کو
حقیقی وصل پر ترجیح دینے کی وجه بیان کرتا ہے :

اَغا رُ عليکِ مِن اِدْراکِ طَرْفِی
واُشْفِقُ اَن يُذِيْبَکِ لَمْسُ کَفِّی
فَاَمْتَنِعُ اللِّقَاءَ حِذَارَ هذا
واَعْتَمِدُ التّلاقِیَ حينَ اُغْفِی
فرُوحِی اِنْ اَنَمْ ، بِکِ ذُو انفِرادٍ
مِنَ الاَعْضَاءِ مُسْتَتِرٌو مَخْفِی

وَوصْلُ الرّوحِ الطفُ فِیکِ وقْعاً

من الَہمّ المُواصِلِ اَلْفَ ضِعْفِ (٦٧)

,,میں تو تیرے بارے میں یہ بھی گوارا نہیں کرتا کہ خود میری نگاہ تجھ پر پڑے

اور ڈرتا ہوں کہ تو میرے ہاتھ کے لمس سے پگھل نہ جائے

اسی خوف سے میں ملاقات سے باز رہتا ہوں

اور اس ملاقات پر انحصار کرتا ہوں جو نیم خوابی کی کیفیت میں ہوتی ہے کیونکہ ، اگر میں سو جاؤں ، تو میری روح کو تیرے ساتھ کامل خلوت میسر آتی ہے

اعضائے جسمانی سے مستور و مخفی ہو کر

اور روح کا وصال تجھ سے وہ حظ اٹھاتا ہے

جو جسم کے وصال سے ہزار گنا زیادہ لطیف ہے ،،

ابن حزم اپنے مسلک فقہ میں ,,ظاہری ،، ہو تو ہو کم از کم شعر و محبت کی دنیا میں تو وہ باطن کے بھی بطون میں نفوذ کرنا چاھتا ہے۔

ظاھر اور باطن کا ایک اور امتزاج غریب ، ابن العربی (٦٨) کی شخصیت میں نظر آتا ہے۔ ابن مسدّی کے بقول :

,,کانَ ظاھریّ المذھب فی العباداتِ ، باطنیّ النَظَر فی الاعتقادات ،، (٦٩)

وہ عبادات میں ظاھری مسلک کے قائل تھے اور اعتقادات میں باطن پر نظر رکھنے والے تھے ،،

ان کی شخصیت بھی عالم اسلام میں بہت اختلافی رہی ہے چنانچہ اردو دائرہ معارف اسلامیہ کے مندرجات کے مطابق :

,,بعض لوگوں کی رائے میں وہ ولی کامل تھے ، قطب زمان تھے اور علم باطنی میں ایسی سند تھے جس میں کلام ھی نہیں ہو

سکتا ۔ دوسری طرف ایک ایسا گروہ تھا جس کے نزدیک وہ بدترین قسم کے ملحد تھے » (۷۰)

محیی الدین محمد بن علی بن محمد ، ابن العربی (م ۶۳۸ ھ/ ۱۲۴۰ ء) جو دنیائے تصوف میں ,,شیخ اکبر » کے نام سے معروف ھیں ، اندلس کے شہر مُرسیہ میں پیدا ہوئے ۔ نسباً ان کا سلسلہ حاتم طائی سے ملتا ہے جیسا کہ ان کی نسبتوں ,,الحاتمی الطائی » سے ظاہر ہے ۔ ان کے متداول دیوان میں بھی کھیں کھیں اس نسبت کا حوالہ ملتا ہے مثلاً :

لاَنِّی حَاتِمِی الْاَصلْ ِ ذُوْکَرَمِ
مِنْ طَیِّئٍ عَــرَبِیُ عَنْ اَبِ فَاَبِ (۷۱)

,,کیونکہ میں حاتمی الاصل ہوں ، صاحب کرم ہوں ، قبیلہ طے سے تعلق ہے اور پشتینی عربی ہوں »

آٹھ برس کی عمر میں اشبیلیہ آ گئے اور تیس برس تک وھاں کے مشاہیر علمـــاء سے تحصیل علم کرتے رھے ۔ ایک نادر روایت کے مطابق ، جو ابن الشعّار کی غیر مطبوعہ تصنیف ,,عقود الجمان» کے مخطوطے میں ملتی ہے ، (۷۲) ان کا خاندان امـــرائے بلاد کی فوجی ملازمت میں چلا آتا تھا اور وہ خود بھی ایک عرصہ فوجی خدمات انجام دیتے رھے تاآنکہ ۵۸۰ ھ میں (یعنی بیس برس کی عمر میں) یہ مشغلہ ترک کر دیا ۔ اس کا سبب خود انھوں نے حلب میں ابن الشعار سے بدھ ۶ ربیع الاول ۶۳۵ھ کو ہونے والی ملاقات میں یہ بتایا کہ وہ امیر ابوبکر یوسف بن عبدالمومن کی ملازمت کے زمانے میں ایک مرتبہ امیر مذکور کے ھمراہ مسجد قرطبہ میں گئے اور وھاں امیر کو رکوع و سجود کرتے اور خشوع و خضوع کے ساتھ اللہ تعالی کے سامنے گڑ گڑاتے دیکھ کر انھیں یہ خیال آیا کہ اگر اتنے وسیع علاقے

کا بادشاہ ہو کر بھی اس شخص کی اللہ تعالی کے سامنے یہ کیفیت ہے تو پھر دنیا کی کچھ حقیقت نہیں ، اسی دن ملازمت سے طبیعت اکھڑ گئی اور راہ طریقت پر گام زن ہو گئی ۔

بعد ازاں اندلس کے مختلف شہروں سے گزر کر ، مراکش ، تونس اور مصر کے راستے ۵۹۸ ھ میں مکہ پہنچے جہاں طویل عرصے تک قیام کیا ۔ ان کا ضخیم شاھکار ,,الفتوحات المکّیہ ،، اسی دور کے مکاشفات روحانی کا گویا ایک ریکارڈ ہے ۔ پھر موصل و بغداد اور قونیہ کی سیاحت کی ۔ ۶۱۰ھ میں دوبارہ مکہ مکرمہ گئے جہاں سے پھر قونیہ اور حلب ہوتے ہوئے بالآخر دمشق پہنچے اور وہیں کوہ قاسیون کے دامن میں ان کا مزار ہے جس پر انہی کا یہ شعر کندہ ہے :

فِی کُلِّ عَصْرٍ وَاحِدٌ یَسْمُوبِهِ
وَاَنَا لِبَاقِی الْعَصْرِ ذَاکَ الْوَاحِدُ (۳۷)

,,ہر زمانے میں کوئی ایک فرد ہوتا ہے جو اسے بلندی عطا کرتا ہے اب جس قدر زمانہ باقی رہ گیا ہے اس کے لئے وہ فرد یکتا میں ہوں ،،

ابن العربی کی شاعری یوں تو ان کی کئی سو تصانیف میں ۔ جن میں ,,الفتوحات المکیة،، اور ,,فصوص الحکم،، سب سے زیادہ شہرت رکھتی ہیں ــ جا بجا بکھری ہوئی مل سکتی ہے لیکن خالص شعری مجموعے دو ہیں ۔ ایک ,,ترجمان الاشواق،، اور دوسرے ان کا ,,دیوان،، ۔

,,ترجمان الاشواق ،، کی شاعری ظاہری ہیئت کے اعتبار سے عربی کی روایتی عشقیہ شاعری ہے جو حسن نسوانی کے حوالے سے کی جاتی ہے ۔ ابن العربی کے خود نوشت دیباچے سے یہ پس منظر سامنے آتا ہے کہ (۳۸) ۵۹۸ ھ میں جب وہ مکہ گئے تو دیگر فضلاء و

صلحاء کے علاوہ ان کا رابطہ شیخ ابو شجاع زاہر بن رستم سے بھی رہا جن سے انہوں نے حدیث پڑھی ۔ شیخ کی ایک ناکتخدا بیٹی ، ,,النظام ،، نام (۷۵) ، حسن و جمال ، فصاحت و بلاغت ، زھد و عفت اور عبادت و ریاضت میں بے مثل تھی ۔ اسی کی ذات کو انہوں نے ترجمان الاشواق کی تشبیب ظاھری کا محور بتایا ہے تاھم ان اشعار کے باطن مفہوم کو بطریق رمز و ایما ، اعلی روحانی واردات سے متعلق قرار دیا ہے ، جن کی حقیقت کو وہ خاتون خوب سمجھتی تھی۔ اشعـــار کی ھیئت ظاھری کے سبب حلب کے کسی فقیہ نے اس رائے کا اظہار کیا کہ ان میں اسرار الھیہ کی گنجائش نکالنا محض مصلحت کا ایک پردہ ہے۔ چنـانچـہ ابن العربی کے دو شاگردوں نے درخواست کی کہ وہ اپنے کلام کی شرح خود لکھیں ۔ یہ فرمائش انہوں نے پوری کی اور یہ شرح اب ,,ترجمان الاشواق ،، کے ساتھ شامل ہے۔ شرح کا کچھ حصہ فقہاء کی ایک جماعت کے سامنے پڑھا گیا تو معترض نے اپنے اعتراض سے رجوع کر لیا اور یہ تسلیم کیا کہ فقراء کے ھاں بادہ و ساغز کے پردے میں مشاھدہ حق کی گفتگو سے انکار نہیں کیا جا سکتا ۔ (۷۶) ابن العربی نے دیباچے میں اپنے اس اسلوب خاص کی وضاحت میں کچھ اشعار بھی درج کئے ھیں جن میں آخری شعر کو نمائندہ حیثیت دی جا سکتی ہے ۔

فَاصْرِفِ الْخَاطِرَ عَن ظَاهِرِ هَا وَاطْلُبِ الْبَطِنَ حَتّى تَعْلَمَا(۷۷)

,,سو ذھن کو ان (مضامین شعر) کے ظاھر سے ھٹا
اور باطن کا کھوج لگا تاآنکہ تجھے حقیقت معلوم ھو جائے ،،

ابن عربی کی شاعری میں ظاھر اور باطن کی ان پر چھائیوں پر المقّری نے بھی ان کے ایک شعر کے حوالے سے روشنی ڈالی ہے ۔ (۷۸) اور ان کے کلام کے بارے میں حسن ظن کو لازم قرار دیا ہے ۔ شعر یوں ہے

يَامَنْ يَّرانِى وَلاَاَرَاهُ   كَمْ ذَا اَرَاهُ وَ لاَيَرانى

,,اے وہ کہ وہ مجھے دیکھتا ہے جبکہ میں اسے نہیں دیکھتا
بارھا یوں بھی ھوتا ہے کہ میں اسے دیکھتا ھوں جبکہ وہ مجھے
نہیں دیکھتا "

ابن العربی کے کسی ساتھی نے یہ شعر سن کر کہا کہ تم یہ کیونکر کہہ سکتے ہو کہ وہ تمہیں نہیں دیکھتا ؟ اس پر انہوں نے برجستہ کہا :

يَا مَنْ يَّرانِى مُجْرِماً   وَلاَ اَرَاهُ آ خِذا
كَمْ ذَا اَرَاهُ مُنْعِمــاً   وَلاَ يَرانِى لاَئِذا

,,اے وہ کہ وہ مجھے جرم کرتے دیکھتا ہے "
جبکہ میں اسے گرفت کرتے نہیں دیکھتا
بارھا میں اسے نعمتیں بخشتے دیکھتا ھوں
جبکہ وہ مجھے اپنی پناہ ڈھونڈتے نہیں دیکھتا "

,,ترجمان الاشواق " کی شاعری فنی اعتبار سے متقدمین کی پختہ گوئی ، اور الفاظ کے زور دار دروبست ، کے ساتھ ساتھ متأخرین کی مناسبات لفظی اور صنائع بدائع کا ایک اچھا امتزاج پیش کرتی ہے۔ چند اشعار بطور نمونہ ملاحظہ کیجئے :

غَازَلْتُ مِنْ غَزَلِى مِنْهُنَّ وَاحِدَةً
حَسْنَاءَ لَيْسَ لَهَا اُخْتٌ مِنَ الْبشَرِ
اِنْ اَسْفَرَتْ عَن مُحَيَّاهَا اَرَتْکَ سَناً
مِثْلَ الغزَالَةِ اِشْرافاً بِلا غَبَرِ
لِلشَّمْسِ غُرَّتُها ، لِلَّيْل طُرَّتُها
شَمْسٌ و لَيْـلٌ معاً مِن اَعْجَبِ الصُّورِ
فَنَحْنُ بِاللَّيْلِ فِىْ ضَوءِ النَّهارِ بِهَا
وَنَحْنُ فِى الظُّهْرِ فِى لَيْلٍ مِنَ الشَّعَرِ (۶۹)

,,میں نے اپنے کلام عاشقانہ سے گفتگوئے محبت چھیڑی
ان میں سے ایک حسینہ کے ساتھ جس کی مثال بنی نوع انسان
میں موجود نہیں اگر وہ اپنے چہرے سے نقاب ہٹا دے
تو تجھے سورج کی سی تابانی دکھائی دے ، جو ایک بے
غبار ماحول میں چمک رہا ہو
سورج کے پاس اس کی درخشان پیشانی ہے اور رات کے پاس
اس کی زلفیں
نہایت عجیب صورت ہے کہ سورج اور رات یکجا ھیں
سو اس کے سبب سے ہم رات کے وقت روز روشن میں ھوتے
ھیں
اور دوپہر کے وقت زلفون کی رات ھم پر محیط ھوتی ہے "

ان اشعار کی عارفانہ شرح میں شیخ نے ,,واحدۃ " یعنی ,,ایک " کا اشارہ توحید کی طرف بتایا ہے نیز مختلف حسیناؤں میں سے ایک سے مراد مختلف معارف میں سے ایک خاص بلند مقام یعنی معرفت ذات لی ہے ، جو مقام مشاہدہ سے متعلق ہے جس کی مثال آیت ,,لیس کمثلہ شئی " ,,اس جیسی کوئی شے نہیں " کے مصداق کہیں نہیں ملتی۔ دوسرے شعر میں چہرہ تاباں کی بےنقابی کا اشارہ حدیث ,, ترون ربکم کالشمس بالظھیرۃ لیس دونھا سحاب " ,,تم اپنے ربَ کو یوں دیکھو گے جس طرح دوپہر کا سورج جس کے آگے بادل حائل نہ ھو " کی طرف بتایا ہے۔ وعلی ھذا القیاس۔

,,ترجمان الاشواق " کے ایک اور قصیدے کے یہ چند اشعار مشہور ھیں :

لَقَدَ صَارَ قَلْبِی قَابِلاً کُلَّ صُورَۃٍ   فَمَرْعیً لِغِزْلَانٍ و دَیرٌ لِرُھْبَانِ
وَبَیْتٌ لِاَوْثَانٍ و کَعْبَۃُ طَائِفٍ   وَاَلْوَاحُ تَوْرَاۃٍ و مُصْحَفُ قُرآنِ
اَدِیْنُ بِدِیْنِ الْحُبِّ اَنّیٰ تَوَجّھَتْ   رَکَائِبُہُ فَالْحُبُّ دِیْنِی وَاِیْمَانِی(۸۰)

,,میرا دل ہر صورت کو قبول کرنے کا اہل ہو گیا ہے
سو وہ ہرنوں کی چراگاہ بھی ہے اور راہبوں کی خانقاہ بھی اور
بتکدہ بھی اور طواف کرنے والے کے لئے کعبہ بھی
اور تورات کی الواح بھی اور مصحف قرآن بھی
میں دین محبت کی پیروی کرتا ہوں
جس طرف بھی اس کا قافلہ روانہ ہو
کہ محبت ہی میرا دین و ایمان ہے "

ان اشعار کی عارفانہ شرح بھی خاصی تفصیلی ہے۔ ایک نکتہ یہ بیـــان ہوا ہے کہ ,,قلب،، کی وجہ تسمیہ ہی اس کا تقلّب یعنی تنوّع واردات و احوال ہے جو تجلیات الٰہیہ کے تنوع کے نتیجے میں واقع ہوتا ہے ,,الواح تورات " اور ,,مصحف قرآن " کا اشارہ ,,علوم موسویہ عبرانیہ " اور ,,معارف محمّدیہ کمالیہ " کی طرف ہے جن کے حصول اور جن کی وراثت پانے کے اعتبار سے دل کو ,,الواح " اور ,,مصحف " کی حثییت حاصل ہے۔ ,,دین محبت " کا اشارہ آیہ مبارکہ ,,فاتّبعونی یُحببکم اللہ " ,,میری پیروی کرو اللہ تم سے محبت کرے گا " کی طرف ہے ,,انّی توجّھتْ " میں محبوب کے ہر ہر حکم پر سر تسلیم خم کرنے کی رمز ہے۔ نیز یہ کہ دین محبت امت محمدیہ علی صاحبہا الصلوٰۃ والسلام سے مخصوص ہے کیونکہ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلّم کو گروہ انبیاء میں ,,مقام محبت " کا امتیاز حاصل ہے چنانچہ آپ ,,صفی " ، ,,نجی " اور ,,خلیل " ہونے کے علاوہ ,,حبیب " بھی ہیں جس میں ,,محب اور محبوب " دونوں کا مفہوم شامل ہے پس آپ کی وراثت پانے والے بھی اسی راہ پر گام زن ہیں۔

,,دیوان ابن عربی " کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ ۶۲۹ھ میں مرتب ہوا۔ ہسپانوی فاضل آنجل جنثالث پالنشیا (Angel Genzalez

(Palencia نے اسے ,,ترجمان الاشواق ،، کے مقابلے میں فنی طور پر کمزور تصور کیا ہے۔ (۸۱)۔ دیوان خاصا ضخیم ہے۔ ہمارے سامنے جو نسخہ ہے محمد بن اسماعیل شہاب الدین کی تصحیح متن کے ساتھ ۱۸۵۵ء میں بولاق مصر سے شائع ہوا۔ لیکن یہ کچھ معلوم نہیں ہو سکا کہ کس مخطوطے یا کن مخطوطات پر اس کی بنیاد ہے اشعار کو کسی بھی ترتیب پر مرتب نہیں کیا گیا نہ کوئی فہرست فراہم کی گئی ہے لہذا مطلوب اشعار کی تلاش از حد دشوار ہے۔ دیوان پر بیشتر غلبہ دینی اخلاقی اور متصوفانہ شاعری کا نظر آتا ہے جس کا عمومی مزاج ,,ترجمان الاشواق ،، کی شاعری کی طرح رمزی و علامتی نہیں۔ دیوان میں کافی تعداد میں موشحات بھی موجود ہیں (۸۲)۔

,,الموشّح ،، اور ,,الزّجل ،، لوک شاعری کی وہ اصناف ہیں جنہیں اہل اندلس نے اختراع کیا۔ ہر چند کہ بعض اوقات موشّحات کا رشتہ ,,مسمّط ،، سے جوڑا جاتا ہے جس کی ایک مثال امر ؤالقیس کے کلام میں بتائی جاتی ہے۔ (۸۳) نیز ایک ,,موّشحہ ،، کی نشاندھی ابن المعتز کے دیوان میں بھی کی جاتی ہے لیکن یہ مثالیں تحقیقی اعتبار سے محل نظر ہیں (۸۴)۔ صحیح بات یہی معلوم ہوتی ہے کہ یہ دونوں صنفیں اندلس میں پیدا ہوئیں جہاں موشحات کا موجد مقدّم بن معافیٰ القبری کو قرار دیا جاتا ہے جو امیر عبداللہ بن محمد المروانی کے دربار کا نابینا شاعر تھا۔ پھر ,,العقد الفرید ،، کے مصنف احمد بن عبدربہ نے اس فن کو آگے بڑھایا تاہم ان دونوں کی موشحات زیادہ اہمیت نہیں پا سکیں اور غالباً ضائع ہو گئیں۔ المریّہ کے حاکم المعتصم بن صمادح کا درباری شاعر عبادۃ القزّاز پہلا آدمی تھا جو اس فن میں چمکا۔ ابن خلدون نے اس کا کچھ نمونہ کلام محفوظ کیا ہے۔ (۸۵)

موشّحات ، خصوصاً ازجال اجتماعی لوک گیتوں کی حیثیت رکھتے تھے جنھیں لوگ گلی کوچوں میں ٹولیاں بنا کر بآواز بلند گاتے تھے ۔ ایک شخص ,,المنشد ،، یعنی مرکزی گانے والا ہوتا تھا جو تنہا ایک بند لے سے پڑھتا ۔ پھر ٹیپ کو سب لوگ مل کر دھراتے ۔ عود ، نے، طنبور ، دف وغیرہ آلات موسیقی بھی اس موقع پر بجائے جاتے اور گاہے گاہے رقص بھی کیا جاتا ۔ (۸٦) اس عوامی مزاج کے باعث ان اصناف کا فصیح عربی نیز عروض کے معروف اوزان میں ہونا مناسب نہ تھا ۔ یہ عامی لہجے اور عوامی دھنوں میں ہوتے تھے ۔ زجل کا مزاج موشح سے زیادہ عوامی تھا چنانچہ اس میں دارجہ لہجہ زیادہ استعمال ہوا ہے جس میں مقامی لاطینی دارجہ کے الفاظ بھی شامل ہیں ۔ لفظ ,, زجل ،، کا لغوی مفہوم عالم طرب میں گانا اور غل مچانا وغیرہ ہے۔ لفظ ,,موشّح ،، ,,وشاح،، سے ہے جس کا مطلب وہ جڑاؤ پیٹی ہے جسے خواتین جنیو کے انداز میں ترچھا ، ایک طرف کے کاندھے سے دوسری طرف کے پہلو تک پہنتی تھیں ۔ غالباً ,,وشاح ،، کے رنگا رنگ موتیوں اور منکوں کی ترتیب اور موشح کے ابیات و اقفال کی ترتیب میں ایک مشابہت قائم کی گئی ۔ موشّحات کے مضامین بھی ہلکے پھلکے اور عوامی دل چسپی کے مطابق ہوتے تھے مثلاً حسن و عشق ، بادہ و ساغر ، اور منظر نگاری ۔ ان میں بسا اوقات پھکڑپن کی آمیزش بھی ہوتی تھی اور یہ بالعموم لونڈیوں ، غلاموں یا بدمستوں کی زبانی تصور کئے جاتے تھے ۔ تاہم بعد میں انھیں مدح و ہجو اور زھد و تصوف وغیرہ مختلف مضامین کے لئے بھی استعمال کیا جانے لگا ۔

موشح و زجل کو سوقیانہ تصور کرتے ہوئے اول اول مستند شعراء نے انھیں درخور اعتنا نہ سمجھا چنانچہ ابن زیدون کے کلام میں

موشحات نہیں ملتیں حالانکہ اس کے دور میں ان اصناف کا رواج ہو چکا تھا۔ تاہم رفتہ رفتہ موشحات پر توجہ بڑھی۔ انہیں فصیح لہجے کے قریب تر لایا گیا اور مروّجہ اوزان کے سانچوں میں ڈھالنے کی بھی کوشش کی گئی اگرچہ اس فن کے لوگ مستند رْوایتی کلام موزوں کو اس صنف کے تقاضوں کے خلاف قرار دیتے ہیں چنانچہ شعوری طور پر کوئی ایسا ٹکڑا لایا جاتا ہے جو اسے لگی بندھی بحر سے خارج کر دے مثلاً :

صَبَرْتُ وَالصَّبْرُ شِیْمَۃُ الْعَانِی وَلَمْ اَقُلْ لِلْمُطِیْلِ ہِجْرَانِی
مُعَذِّبِی کَفَانِی

,,میں نے صبر کیا ، اور صبر ھی اسیر محبت کا شیوہ ہے اور میں نے ھجر کو طول دینے والے (محبوب) سے یہ نہیں کہا کہ اے میرے ستم گر بس بہت ھو چکی ،،

اب اس میں پہلے پورا شعر بحر منسرح میں آیا ہے لیکن ,,معذّبی کفانی ،، کا ٹکڑا اس سے خارج ہے۔ جو موشحات عروضی اوزان سے خارج ھیں ان میں کچھ تو ایسی ھیں جن کی بہر حال ایک دھن سی بن جاتی ہے جس کا ذوقی و سماعی ادراک ممکن ہے اور کچھ ایسی ھیں جن کی کوئی دھن یا آھنگ سمجھ میں نہیں آتا انہیں صرف عوامی گانے میں کھینچ تان کر ھموار کیا جا سکتا ہے۔ (۸۲)

یہ مسئلہ کہ موشحات کے مختلف بند اصطلاحی طور پر کیا کہلاتے ھیں حتمی طور پر طے شدہ نہیں۔ چنانچہ ,,بیت ،، (یعنی وہ حصہ جو وزن اور عدد ارکان میں تو باقی موشح سے یکساں ھوتا ہے لیکن قافیہ مختلف رکھتا ہے) بعض کے خیال میں ,,جزء ،، بھی کہلاتا ہے۔ ,,قفل،، وہ بند ہے جو وزن کے علاوہ ایک خاص قافیے کا بھی پابند ھوتا ہے اور بار بار اسی قافیے کی طرف لوٹتا ہے اسے ,,قفلہ ،،

بھی کہہ لیتے ھیں ۔ آخری ٹیپ ,,خرجه،، کہلاتی ہے۔ ابتدائی بند کو ,,مطلع،، یا ,,مذھب،، یا ,,غُصن،، کہا جاتا ہے۔ ,,قفل،، کے مقابلے میں وہ ,, ابیات،، جو قافیے میں ,,قفل،، کی پابندی نہیں کرتے ,,دور،، یا ,,سمط،، بھی کہلاتے ھیں ۔ اگر آغاز ان ,,ابیات،، سے ہو تو موشح ,,اقرع،، کہلاتی ہے اور اگر آغاز ,,قفل،، سے ھو تو ,,تام،، ۔ وغیرہ وغیرہ ۔ ان اصطلاحات کے طے شدہ نہ ھونے کے سبب اختلاف رائے اور ایک طرح کے ابہام کا پایا جانا فطری امر ہے۔ ابیات و اقفال میں تعداد ارکان بھی مختلف ھو سکتی ہے (۸۸) ۔

جب فصیح و مستند شعراء کی توجه موشحات کی طرف مبذول ھوئی تو اس صنف میں معروف شعراء کے کلام کو تضمین کرنے کا رجحان بھی پیدا ھوا ۔ چنانچه ابن الوکیل نے ابن زیدون کے مشھور قصیدے :

,,اضحی التنائی بدیلاً من تدانینا ،، (۸۹) ۔

کو موشّح میں کھپایا ہے :

مَنْ هامَ بِالْغِیْدِ — لاَقـٰی بِهِمْ هَمَّا
بَذَلْتُ مَجْهُودِی — لِاَحْورِ اَلمیٰ
یَهُمُّ بِالْجُوْدِ — وَردَّمَا هَمَّا
وَعِنْدَمَا قَدْ جَادْ — بِالْوَصْلِ اَوْقَدْ کَادْ
اَضْحَی التَّنَائِی بَدِیْلاً مِنْ تَدانِیْنَا

وعلی هذا القیاس (۹۰)

,,جو کوئی نازک اندام حسینوں پر مرتا ہے ان کی طرف سے دکھ اٹھاتا ہے میں نے عنّابی ھونٹوں اور حسین آنکھوں والے (ایک محبوب) کی خاطر جو کچھ بھی بن پڑا کیا

وہ کرم گستری کا ارادہ کر کے پھر ارادہ توڑ دیتا ہے
اور بالآخر جب وہ آمادہ وصل ہو گیا ، یا ہونے ہی والا تھا
تو ,,ہمارے قرب کی جگہ جدائی نے لے لی "

موشّحات کے فن میں الاعمی التُطیلی ، ابن بقی ، ابوبکر ابن الابیض ، ابوبکر ابن باجة ، ابوبکر ابن زُہر محمد بن ابی الفضل وغیرہ اور آخر میں وزیر لسان الدین ابن الخطیب نمایاں نظر آتے ہیں۔

مشرق میں بھی موشحات کی پیروی کی گئی اور اس سلسلے میں ابن سناء الملک مصری کا نام سب سے اہم ہے جس کی موشحات کو مشرق و مغرب میں یکساں شہرت ملی ۔ موشحات کے فن پر اس کی کتاب ,,دارالطراز فی عمل الموشحات " آج تک یاد گار ہے۔

زجل ، جیسا کہ بیان ہوا موشح سے زیادہ عوامی چیز ہے جس کی زبان غیر معیاری مقامی لہجوں پر مبنی ہوتی ہے۔ زجل کے ارتقاء میں سعید بن عبدربہ ابو یوسف ہارون الرمادی ، عبادة بن ماء السماء ، ابو عثمان بن سعید البلینة ، وغیرہ بہت سے شعراء نے حصہ لیا ۔ ۹۱) لیکن ابن قزمان ، ابوبکر محمد بن عبدالملک ، کو زجّالین میں نہایت نمایاں حیثیت حاصل ہے اس کی ایک معروف زجل کی ابتداء یوں ہوتی ہے :

یَا مَلِیْحَ الدُّنَیَا قُولْ
علی اش انت یا ابنَ ملُولْ
ای انا عندک وجیہ
یتمجّج من وفیہ ثمّ فاحلی ماتتیہ
ترجع انسُنک وصول (۹۲)

فصیح عربی میں اس کی جو شرح بتائی گئی ہے اس کا مفہوم کچھ یوں ہے۔

,,اے دنیا کے ملیح ترین شخص یہ بتا
کہ آخر کیا سبب ہے کہ تو پیہم متغیر ہے کسی ایک حال پر
ٹھہرتا نہیں مجھے تیرے ہاں بڑا مقام حاصل ہے
بھلا انسان اپنے وفادار سے کیونکر نفرت کر سکتا ہے ۔
جس قدر ناز کرنا ہے کر لے کہ بالآخر
تجھے اسی سے جا ملنا ہے جس سے تجھے محبت ہے ،،

زجل کے عمومی موضوعات عوامی دل چسپیوں سے عبارت تھے جن پر پھکڑ پن اور فحش گوئی کا اثر بھی نمایاں تھا تاہم اسی صنف میں رفتہ رفتہ سیاسی ، مدحیہ بلکہ حزنیہ مضامین بھی جگہ پانے لگے ۔

زجل کا فن اندلس کے تمام گوشوں میں اس قدر مقبول ہوا کہ ان تمام شعرا کے نام گنانا ممکن نہیں جنہوں نے اسے اپنایا ۔ اندلس سے مشرق کی طرف ہجرت کرنے والے شعرا کے توسط سے زجل نہ صرف دیار مشرق میں پہنچی بلکہ فرانس ، انگلستان ، جرمنی ، اٹلی ، پرتگال وغیرہ مغربی ممالک کے ادب پر بھی اس کا اثر دریافت کیا گیا ہے ۔ (۹۳)

اندلس کی عربی شاعری کا یہ طائرانہ سا جائزہ بھی خاصا طویل ہو گیا حالانکہ وسعت موضوع کے اعتبار سے یہ ہنوز نہایت تشنہ ہے ۔ اس طویل مختصر افسانے کے انجام کا منظر دیکھنے کے لئے ہمیں غرناطہ چلنا ہو گا جہاں ,,الحمرا،، کے درو دیوار مغرب اقصی میں مسلم اقتدار کے ڈوبتے ہوئے سورج کے پرتو میں کچھ اور بھی لہو میں غرق دکھائی دیتے ہیں ۔ سنگ سرخ کی ان روشوں پر ، ان متناسب محرابوں میں لسان الدین ابن الخطیب اور ابن خلدون کے پیکر اہل نظر کو آج بھی متحرک نظر آتے ہیں ۔

لسان الدین ابن الخطیب محمد بن عبداللہ (م : ۷۷۶ھ/۱۳۷۴ء) اپنے دور کا بہت نمایاں مورخ ، مصنف،شاعر اور سیاست دان تھا ۔ فن شعر میں اپنی قادر الکلامی کے سبب اسے بنو الاحمر کے دربار تک رسائی حاصل ہوئی اور رفتہ رفتہ وہاں کا قلمدان وزارت سنبھال لیا اور سلطان ابو الحجاج یوسف پر اپنے زبردست رسوخ کے باعث بہت بااختیار ہو گیا ۔ ابن خلدون سے اول اول اس کی دوستی تھی لیکن جب وہ بھی غرناطہ آ گیا تو ابن الخطیب ، بعض بدخواہوں کی لگائی بجھائی کے نتیجے میں اس سے بگڑ گیا اور یہی بات ابن خلدون کی غرناطہ سے واپسی کا سبب بنی ۔ (۹۳)

ابن الخطیب کی شاعری کلاسیکی رنگ میں قادر الکلامی اور پختہ گوئی کا اچھا نمونہ ہے ۔ ایک موقع پر وہ عیسائیوں کے خلاف امیر تونس سلطان ابو عنان حفصی سے مدد مانگنے کے لئے ایک وفد کو ساتھ لے کر گیا اور اپنا مدعا نظم میں یوں بیان کیا :

خَلِیْفَةَ اللهِ سَاعَدَ الْقَدَرُ
وَدَافَعَتْ عَنْکَ کفُ قُدْرَتِهِ
وَجْهُکَ فِی النَّائِبَاتِ بَدْرُ دُجیً
وَالنَّاسُ طُرّاً بِاَرْضِ اَنْدَلُسٍ
وَجُمْلَةُ الأَمْرِ اَنَّهُ وَطَنٌ
وَمَنْ بِهِ ۔ مُذْ وَصَلْتَ حَبْلَهُمُ
وَقَدْ أَهَمَّتْهُمُ بِأَنْفُسِهِم
عُلَاکَ ، مَا لَاحَ فِی الدُّجَی قَمَرُ
مَالَیْسَ یَسْطِیْعُ دَفْعَهُ الْبَشَرُ
لَنَا وَفِی الْمَحْلِ کَفُّکَ الْمَطَرُ

لَولاَکَ مَا أَوْطَنُوا وَمَا عَـمَـــرُوا
فِی غَیْرِ عُلْیَـاکَ مَالَـهُ وَطَرُ
مَا جَحَـدُوا نِعْمَـةً وَّلاَ کَفَرُوا
فَاَوْفَدُوْنِی اِلَیْکَ وَانْتَظَرُوا

,,اے اللہ کے خلیفہ ، قسمت تیری بلندی کے ساتھ یاوری کرے
جب تک تاریکیوں میں چاند چمکتا رہے
اور اللہ کا دست قدرت ان (مصائب) سے تیرا دفاع کرتا رہے
جنھیں دور کرنے کی طاقت انسانوں میں نہیں ہے ۔
تیرا چہرہ مصائب میں ہمارے لئے یوں ہے جیسے اندھیروں میں
چودھویں کا چاند
اور قحط کے زمانے میں تیرا کف دست باران رحمت ہے
تو نہ ہوتا تو ارض اندلس کے تمام لوگ
نہ اسے وطن بناتے اور نہ وہاں بستے
مختصر یہ کہ وہ ایک ایسا وطن ہے
جسے تیری سر بلندی کے سوا کوئی خواھش نہیں اور وہاں کے
رہنے والے
— جب سے تو نے ان کی دستگیری کی ہے ۔
کبھی کفران نعمت کے مرتکب نہیں ہوئے
اور اب جبکہ انھیں اپنی جان کے لالے پڑے ہوئے ھیں
انہوں نے مجھے تیرے پاس بھیجا ہے اور خود منتظر ھیں ،،

سلطان یہ شعر سنتے ھی وجد میں آ گیا اور جو جو کچھ مطلوب تھا سب کچھ دے کر ابن الخطیب کو واپس کیا ۔ (۹۵)

ابن الخطیب بے خوابی کا مریض تھا ۔ اس کا دن سیاست کی گتھیاں سلجھانے میں اور رات پڑھنے لکھنے میں بسـر ھوتـی تھـی

چنانچہ اسے ,,ذوالعمرین ،، ,,دو زندگیوں والا ،، کا خطاب دیا گیا ۔ اس نے ساٹھ کی قریب تصنیفات چھوڑیں جن میں سے ایک تہائی کے لگ بھگ محفوظ رہ سکی ہیں ۔ ان میں ,,الاحاطۃ بتاریخ غرناطۃ،، بہت مشہور ہے ۔ وہ بلاشبہ اپنے دور کے ممتاز ترین اہل قلم میں سے تھا ۔ تاہم سیاسی اقتدار اور جوڑ توڑ کے شوق میں اس نے بہت سے دشمن پیدا کر لئے اور بالآخر

اس راہ میں جو سب پہ گزرتی ہے سو گزری
تنہا پس زنداں کبھی رسوا سر بازار

غرناطہ چھوڑ کر دیار مغرب کی طرف نکلنا پڑا ۔ حاسدوں اور دشمنوں کی ریشہ دوانیاں یہاں بھی جاری رہیں جس میں رفتہ رفتہ وہ کامیاب ہو گئے ۔ ابن الخطیب پر زندقت کا الزام لگا ۔ سر عام اسے رسوا کیا گیا ۔ اور جیل کے اندر ہی گلا گھونٹ کر ہلاک کرا دیا گیا ۔ دفن ہو جانے کے بعد ایک مرتبہ اس کی لاش بھی قبر سے نکال کر اسے جلانے کی کوشش کی گئی اور اس کے جسد نیم سوختہ کو دوبارہ سپرد خاک کیا گیا ۔ (۹۶)

ایک بار اس نے معتمد کی قبر پر کھڑے ہو کر کچھ شعر کہے تھے جن میں سے چند یہ ہیں

قَدْ زُرْتُ قَبْرَکَ عَنْ طَوْعٍ بِاَغْمَاتِ
رَأَیْتُ ذٰلِکَ مِنْ اَوْلَی الْمُهِمَّاتِ
لِمْ لاَ اَزُورُکَ یَا اَنْدَی الْمُلُوکِ یَداً
وَیَا سِرَاجَ اللَّیَالِی الْمُدْلَهِمَّاتِ
وَاَنْتَ مَنْ لَّوْتَخَطَّی الدَّهْرُ مَصْرَعَهُ
اِلٰی حَیَاتِی لَجَادَتْ فِیْهِ اَبْیَاتِی (۹۷)

,,میں دلی رغبت کے باعث اغمات میں تیری قبر کی زیارت کو

حاضر ہوا ہوں میں نے اس کام کو اہم ترین کام تصور کیا ہے
میں تیری زیارت کیونکر نہ کروں، تو کہ بادشاہوں میں سب سے
بڑھ کر سخی تھا
اور تاریک راتوں میں چراغ کی حیثیت رکھتا تھا ۔
تو وہ تھا کہ اگر زمانہ تیری موت کو میری زندگی تک مؤخر کر
دیتا تو تیرے لئے میری شاعری وفور کا عالم دکھاتی "

اس وقت اسے معلوم نہ تھا کہ اس کا اپنا انجام معتمد سے کہیں زیادہ سنگین ہو گا ۔ یہ سنگینی کچھ اور بھی بڑھ جاتی ہے جب ہم یہ سنتے ہیں کہ اس کے شاگرد ابن زمرک نے بھی اس سلسلے میں بروٹس کا کردار ادا کیا ۔

ابن زمرک ، ابو عبداللہ محمد بن یوسف (م ۔ تقریباً ۷۹۳ھ/ ۱۳۹۰ ء) کو اندلس میں عربی شاعری کا آخری ستون کہا جا سکتا ہے۔ وہ ایک اچھا نثر نگار بھی تھا ۔ سیاست کی وادی میں قدم رکھا اور اپنے استاد لسان الدین ابن الخطیب کے المناک انجام کے بعد وزارت کے منصب تک پہنچا ۔ اگر یہ درست ہے کہ وہ استاد کے قتل کی سازش میں شریک تھا تو پھر اس کے اپنے المناک انجام کو پاداش عمل بھی کہا جا سکتا ہے ۔ مرتبہ و منصب کے ساتھ جو رنجشیں پیدا ہو جاتی ہیں ان کے نتیجے میں بالآخر اسے اسی کے گھر میں قتل کروا دیا گیا اور اس کے ساتھ اس کے جو بیٹے اور ملازمین موجود تھے وہ بھی قتل ہوئے ۔ روایت کے مطابق قتل ہوتے وقت ابن زمرک نے قرآن ہاتھوں میں بلند کر رکھا تھا ۔ (۹۸)

بطور شاعر ابن زمرک کو ابن خفاجہ کے رنگ کا کامیاب شاعر سمجھا جاتا ہے چنانچہ مناظر فطرت کی عکاسی میں اسے زبردست ملکہ حاصل تھا ۔ الحمراء کے در و دیوار ، باغات اور وہاں کی

محفلوں کا نقشہ اس نے بڑا خوبصورتی سے کھینچا ہے۔ (۹۹) اس کے بعض اشعار آج تک الحمراء کی دیواروں پر نقش ہیں اور ان کی بے مثال مینا کاری کا حصہ ہیں۔ ایک قصیدے میں اس نے جلتے ہوئے چراغ کی منظر کشی کی ہے جو اس کی دقّت مشاہدہ اور قدرت اظہار، کے ساتھ ساتھ اس کی داخلی شخصیّت پر بھی روشنی ڈالتے ہیں۔ انہی چند شعروں کو ہم اس کے نمونہ کلام کے طور پر درج کرتے ہیں دیکھئے اس نے کس خوبی سے چراغ کی لو اور سوز محبت کو باھمدگر پیوست کر دیا ہے۔

لَقَدْ زَادَنِي وَجْداً وأَغْرىٰ بِيَ الجَوَى
ذُبالٌ بِأَذْيَالِ الظَّلامِ قَدِ الْتَفَّا
تُشِيْرُ وَرَاءَ اللَّيْلِ مِنْهُ بَنَانَةٌ
مُخَضَّبَةٌ واللَّيلُ قَدْ حَجَبَ الكَفَّا
تَلُوحُ سِنَاناً حِيْنَ لاَتَنْفَحُ الصَّبَا
وَتَبْدُو سِوارًا حِيْنَ تَثنِي لَهُ العِطْفا
قَطَعْتُ بِهَا لَيْلِي يُطارِ حُنِي الْجَوىٰ
فَآونَةً يبدُو و آوِنَةً يَخْفىٰ
إذَا قلتُ لايَبْدُو أشالَ لِسانَهُ
وإنْ قلتُ لايَخْبُو الضِّياءُبِهِ كَفَّا
إلىٰ أنْ أفاقَ الصّبْحُ مِن غَمْرَةِ الدُّجىٰ
وأَهْدى نسيمُ الرَّوْضِ مِنْ طِيْبِهِ عَرْفا
لکَ اللهُ يامِصْبَاحُ اَشْبَهْتَ مُهْجَتِي
وَقَدْشَفَّهَا مِنْ لَوْعَةِ الْحُبِّ مَاشَفَّا (۱۰۰)

,,بلاشبہ میری کسک میں اضافہ کر دیا ہے اور دردِ محبت کو بھڑکا دیا ہے ایک فتیلے نے جو ظلمت کے دامن سے الجھ رہا ہے

اس کی ایک حنائی انگشت رات کے ماورا اشارہ کرتی ہے
جبکہ باقی ھاتھ پر رات نے پردہ ڈال رکھا ہے۔
جب بادصبا نہیں چلتی تو یہ (انگشت) نیزے کی انی کی طرح دمکتی ہے
اور جب صبا اس (فتیلے) کا پہلو دبا تی ہے تو یہ ایک کنگن کی صورت دکھائی دیتی ہے
اس کے سہارے میں نے رات گزاری دی
درد محبت مجھ سے مصروف کشاکش رہا
وہ (اس لو کی طرح) کبھی کھل کر سامنے آتا تھا اور کبھی روپوش ھو جاتا تھا۔
جب میں یہ سمجھنے لگتا تھا کہ اب وہ ظاھر نہیں ھو گا تو وہ اپنی زبان بلند کر دیتا تھا
اور جب میں یہ تصور کرنے لگتا تھا کہ اس کی روشنی اب نہ بجھے گی تو وہ مدھم پڑ جاتا تھا
(یہ سلسلہ جاری رھا) تاآنکہ صبح ، تاریکیوں کی کٹھنائی سے آزاد ھوئی اور باغوں کی ھوا نے اپنے مہکارکی لپٹ کا ھدیہ بھیجا اللہ تیرا بھلا کرے ، اے چراغ تو میری روح سے مشابہ ہے جسے سوز عشق نے بے حد زار و نزار کر رکھا ہے۔

روایت ہے کہ ۲ جنوری ۱۴۹۲ ء کو جب غرناطہ پر ھلال کی جگہ صلیب سایہ فگن ھو گئی اور اندلس کا آخری مسلمان حکمران ابو عبداللہ بوجھل دل اور بوجھل قدموں کے ساتھ ، اپنے اھل خانہ اور جان نثار ھمراھوں کے جلو میں ھمیشہ کے لئے غرناطہ کو چھوڑ کر چلا تو پتھریلے پہاڑی راستے پر گھوڑا بڑھاتے ھوئے مغلوب سلطان نے مڑ کر الحمراء پر ایک نگاہ واپسیں ڈالی جس کے درو دیوار پر جا بجا

,,ولا غالب الا الله ،، کا نقش جمگمگا رہا تھا ۔ شدت جذبات سے اس نے ایک آہ سرد بھری اور اس کی آنکھوں میں تھما ہوا طوفان بہ نکلا ۔ اس مقام کو آج تک ہسپانیہ میں ۔

El Ultimo Suspirò del Moro

یعنی ,, مسلمان کی آخری آہ سرد ،، کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ۔ (۱۰۱) اسی آہ سرد کو ہم اندلس میں عربی شاعری کا مقطع تصور کرتے ہیں ۔ کیا ضروری ہے کہ شاعری الفاظ ہی میں کی جائے

فریاد کی کوئی لے نہیں ہے
نالہ پابند نے نہیں ہے

حواشی

۱ ۔ ڈاکٹر صاحب موصوف نے اس رائے کا اظہار اپنے عربی مضمون ,,فتح الاندلس (اسبانیا) فی خلافة سیدنا عثمان سنة ۲۷ للهجرة،، میں کیا ہے جو ادارہ تحقیقات اسلامی کے عربی مجلہ ,,الدراسات الاسلامیة،، کے خصوصی نمبر ,,الاسلام فی الاندلس،، میں اشاعت کے لئے وصول ہوا ہے ۔

۲ ۔ مثلاً دیکھئے :
ابن الابّار ، محمد بن عبدالله الحلّة السیراء ، تحقیق د . حسین مونس ، القاهرة ۱۹۶۳ ـ ۱۹۶۴ء ، ۱/۲۵ ـ ۳۲ .
المقّری، احمد بن محمد، نفح الطّیب ...، تحقیق ڈوزی وغیرہ ، لائیڈن، ۱۸۵۸ ـ ۱۸۶۱ء ، ۲/۲۵، ۲۶ ، ۲۹ ، ۳۰

۳ ۔ دیکھئے یاقوت الحموی ، معجم البلدان ، تحقیق وسٹنفلڈ ، طبع عکسی طہران ، ۱۹۶۵ء ، ۲/۸۶

۴ ۔ محمد اقبال ، علامہ، کلیات اقبال (اردو) ، شیخ غلام علی اینڈ سنز ، پبلشرز ۔ لاہور، ۱۹۷۳ء ، ص ۳۸۸ ، (نظم ,,مسجد قرطبہ،،)

۵ ۔ ابن الابّار ، الحلّة السیراء، ۱/۳۷
المقّری ، نفح الطّیب ، ۲/۳۷ ، یہاں آخری شعر کی روایت ,,من صوبها الذی،، کی جگہ ,,فی المنتأی الذی،، ہے ۔
یاقوت الحموی ، معجم البلدان ، ۲/۸۶ ، یہاں دوسرے شعر میں ,,فی التغرب،، کی جگہ ,,بالتغرب،، ہے ۔

ان اشعار کو عبدالملک بن بشر بن عبدالملک بن مروان سے بھی منسوب کیا جاتا ہے۔
کھجور ھی سے متعلق چار شعر کا ایک اور قطعہ

یـا نخـلَ انت غـریبـة مثلـی ۔ الخ

بھی عبدالرحمن الداخل کا بتایا جاتا ہے مگر اس کے بارے میں بھی اختلاف کی گنجائش موجود ہے۔ (دیکھئے ابن الابّار ، **الحلّة السیراء** ، ۳۷/۱ ۔ ۳۹، المقّری، **نفح الطیب**، ۳۱/۲ ,,غریبة،، کی جگه ,,فریدة،، ۔

۶ ۔ محمد اقبالؔ علامه، ، کلیات اقبال (اردو) ، ص ۳۹۳ ۔ ۳۹۵ ۔

۷ ۔ ابن الابّار ، **الحلّة السیراء** ، ۴۲/۱ ۔ ۵۰

۸ ۔ الغزال، بلا تشدید، سند کے لئے دیکھئے ، الضبیّ ، احمد بن یحیی، **بغیة الملتمس** ... ,,تحقیق Codera & Ribera,, ،، عکسی ایڈیشن بغداد ، (ت ۔ ن) از طبع میڈرڈ ، ۱۸۸۴ء ، ص ۴۸۵ ڈوزی وغیرہ نے نفح الطّیب (دیکھئے آئندہ حاشیه ۱۰ ، ۱۱) میں الغزّال بالتشدید درج کیا ہے جس کی سند معلوم نہیں ہو سکی ۔

۹ ۔ آنخل جنثالث بالنثیا ، **تاریخ الفکر الاندلسی**، هسپانوی سے عربی ترجمه حسین مونس ، قاهره، ۱۹۵۵ء ، ص ۵ ، ۵۶ ۔

۱۰ ۔ المقّری ، **نفح الطّیب** ، ۱۷۸/۱ ، ۱۲۳/۲ ۔

۱۱ ۔ مثلاً دیکھئے مصدر سابق ، ۲۲۳/۲ ۔

۱۲ ۔ دیکھئے ابن الخطیب لسان الدین محمد بن عبداللہ ، (تاریخ اسبانیة الاسلامیة) او **کتاب اعمال الاعلام** ... ، تحقیق لیفی بروفنسال ، بیروت ۱۹۵۶ء ، ص ۱۸

۱۳ ۔ آنخل ... ، **تاریخ الفکر الاندلسی** ، ص ۶

۱۴ ۔ ابن الخطیب ، **اعمال الاعلام** ... ، ص ۲۳

۱۵ ۔ ایضـاً ، ص ۳۰

۱۶ ۔ "R.A. Nicholson, *A Literary History of the Arabs*, Cambridge 1956, p. 416"

۱۷ ۔ القزوینی ، زکریا بن محمد ، **آثار البلاد و اخبار العباد**، بیروت ۱۹۶۰ء ، ص ۵۴۱

۱۸ ۔ ابو نواس ، الحسن بن هانی ، **دیوان ابی نواس**، تحقیق احمد عبدالمجید الغزالی ، قاهره، ۱۹۵۳ء ، ص ۱۳۳

۱۹ ۔ آنخل ... ، **تاریخ الفکر الاندلسی** ، ص ۴۳

۲۰ ۔ ایضـاً ، ص ۴۸

۲۱ ۔ غالب، اسد اللہ خان ، **عود هندیؔ** ، مرتبه سید مرتضی حسین فاضل ، مجلس ترقی ادب ، لاهور، ۱۹۶۷ء ، ص ۲۹۶

۲۲ ۔ "Edward G. Browne, *A Literary History of Persia*, Cambridge, 1956, Vol. II, pp. 142–143."

۲۳ ۔ دیکھئے بطرس البستانی ، **ادباء العرب ۔ ۳ (فی الاندلس و عصر الانبعاث)** ، بیروت ۱۹۶۸ء ، ص ۳۷ ، ۳۸

۲۴ ۔ ابن الابّار ، **الحلّة السیراء** ، ۵۵/۲

۲۵ ۔ ایضـاً بحوالۂ بالا

۲۶ - "Hitti, P.K., *History of the Arabs,* London, 1960, p. 539"

۲۷ - المقّری ، نفح الطّیب ، ۱/۲۸۷

۲۸ - ایضـاً ، ۲/۶۷۸ .

۲۹ - ابن خلّکان ، احمد بن محمد ، وفیات الاعیان ... ، تحقیق محمد محی الدین عبدالحمید، قاهره، ۱۹۴۸ء ، ۴/۱۱۹

۳۰ - ایضـاً ، ۴/۱۲۱

۳۱ - الفتح بن خاقان ، قلائد العقیان ، بولاق ، ۱۲۸۳ هـ ، ص ۲۳

۳۲ - ایضاً بحوالهٔ بالا

۳۳ - کلیات اقبال (اردو) ، ص ۳۹۳ - ۳۹۴

۳۴ - ابن خلّکان ، وفیات الاعیان ، ۴/۱۲۷

۳۵ - المقّری ، نفح الطّیب ، ۲/۵۷۱

۳۶ - ایضاً ، ۱/۲۸۹ ، ۲ ۵۸۰

۳۷ - ایضاً ، ۲/۷۸۰

۳۸ - ایضاً ، ۲/۷۸۱ ، ۷۸۲

۳۹ - سعدی شیرازی ، دیوان سعدی ، تحقیق مظاهر مصفّا، تهران، ۱۳۳۹ خ ، ص ۵۴۷

۴۰ - حالی، الطاف حسین ، دیوان حالی ، سٹار بک ڈپو ، لاهور ، ۱۹۶۰ء ، ص ۹۶

۴۱ - محمد اقبال ، علامه، کلیات اقبال (اردو) ، ص ۱۳۳ ، ۱۳۴

۴۲ - ابن خفاجة ، دیوان ابن خفاجة ، جمعیة المعارف ، مصر ، ۱۲۸۶ هـ ، ص ۱۶ - ۱۷

۴۳ - ایضاً ، ص ۲۷

۴۴ - "Hitti, *History of the Arabs,* p. 560"

۴۵ - المقّری ، نفح الطّیب ، ۲/۵۶۳

۴۶ - ایضاً ، ۲/۵۶۳ - ۵۶۴

۴۷ - بطرسی البستانی ، ادباء العرب - ۳ ، ص ۱۲۴ ، ۱۲۵

۴۸ - ابن زیدون ، دیوان ابن زیدون ، تحقیق محمد سعید کیلانی ، مصر ، ۱۹۵۶ء ، ص۲۸۶

۴۹ - ایضاً ، ص ۲۲۰

۵۰ - المعتمد ، دیوان المعتمد بن عباد ، تحقیق احمد احمد بدوی، حامد عبدالمجید ، قاهره، ۱۹۵۱ء ، ص ۷۷ - ۸۶

۵۱ - ابن زیدون ، دیوان ابن زیدون ، ص ۲۰۱

۵۲ - ابن رشیق ، العمدة فی صناعة الشعر و نقده ، مصر ، ۱۹۲۵ء ، ۱/۱۲۰

۵۳ - آنخل ... ، تاریخ الفکر الاندلسی ، ص ۸۳

۵۴ - ایضاً ، ص ۸۳، ۸۴، نیز موازنه کیجئے ابن زیدون، دیوان ابن زیدون، ص ۱۶۶ - ۱۶۸

۵۵ - ابن خلّکان ، وفیات الاعیان، ۴/۵۰

۵۶ - د . زاهد علی ، تبیین المعانی فی شرح دیوان ابن هانی ، مصر ۱۳۵۲، ص ۱۹ ، ۲۰

۵۷ - ابن خلّکان، وفیات الاعیان، ۴/۵۱ ، نیز مثال کے طور پر دیکھئے ، د . زاهد علی ، تبیین المعانی ... ، ص ۳۶۵

۵۸ - Hitti, *History of the Arabs,* p. 558.

۵۹ ـ ابن بشکوال، خلف بن عبدالملک ، کتاب الصلة ، قاهره ۱۹۶۶ء ، ۲/۳۱۶

۶۰ ـ ایضاً .

۶۱ ـ ابن خلّکان ، وفیات الاعیان ، ۳/۱۵

۶۲ ـ یاقوت الحموی، معجم الادباء ، مطبوعات دار المامون، قاهره، ۱۹۳۶ء ، ۱۲/۲۵۲، ۲۵۳

۶۳ ـ دیکھئے ابن خلّکان، وفیات الاعیان ، ۳/۱۵ ، ۱۷ ، شاید یه مقام وه ہے جو آج کل ,,کازا مونتیخا ,,Casa Montija. کہلاتا ہے ـ دیکھئے آنخل ... ، تاریخ الفکر الاندلسی ، ص۲۱۶

۶۴ ـ ابن خلّکان ، وفیات الاعیان ، ۳/۱۴

۶۵ ـ Hitti, *History of the Arabs,* p. 558.

۶۶ ـ ابن حزم، علی بن احمد، طوق الحمامة فی الالفة والالاّف، تحقیق حسن کامل، ابراهیم الابیاری، قاهره ، ۱۹۵۰ء ، ص ۶۲ ، ۶۳ .

۶۷ ـ ایضاً ، ص ۹۸

۶۸ ـ بلاد مغرب میں انهیں الف لام کے ساتھ ,,ابن العربی،، کہا جاتا تھا ـ اهل مشرق نے ان کے نام اور قاضی ابوبکر ابن العربی کے نام میں فرق کرنے کے لئے ان کے نام سے الف لام هٹا کر صرف ,,ابن عربی،، کہنا شروع کیا ـ دیکھئے المقّری ، نفح الطیب، ۱/۵۶۱ تاهم عملاً اس فرق کو کچھ زیاده ملحوظ نہیں رکھا جاتا ـ بلکه بعض اهل علم کے نزدیک اس خود ساخته تفریق کا کوئی جواز بھی نہیں کیونکه خود شیخ نے اپنے نام میں الف لام استعمال کیا ہے اور ناموں میں تبدیلی اصولاً درست نہیں (دیکھئے محمود محمود الغراب، الشیخ الأکبر محی الدین ، ابن العربی ـ ترجمه حیاته من کلامه ، دمشق ، ۱۹۸۳ء ، ص ۵

۶۹ ـ ایضاً ، ۱/۵۶۹ ، ۵۸۲

۷۰ ـ اردو دائره معارف اسلامیه ، زیر اهتمام دانش گاه ، پنجاب ، لاهور ، آغاز اشاعت ۱۹۶۲ء، ۱/۶۰۶ .

۷۱ ـ ابن عربی ، دیوان ابن عربی ، بولاق مصر ، ۱۲۷۱ھ ـ ۱۸۵۵ء ص ۲۵۹ نیز دیکھئے ص ۱۹۲

۷۲ ـ ابن الشعّار، المبارک بن ابی بکر، عقود الجمان فی شعراء هذا الزمان ، مخطوطه نمبر ۲۳۲۳ ـ ۲۳۳۰ کتب خانه اسعد افندی ، مکتبه سلیمان ، استانبول، ۷/۱۳۸ ب ـ ۱۳۹ أ ـ

۷۳ ـ دیکھئے محمود محمود الغراب ، الشیخ الأکبر محیی الدین ابن العربی، دمشق ، ۱۹۸۳ء ، ص ۲۳۸

۷۴ ـ ابن العربی محیی الدین ، ترجمان الاشواق ، بیروت ، ۱۹۶۶ء ، ص ۷، ۸، ۹

۷۵ ـ ان کے بعض اشعار میں بھی اس نام کی طرف اشاره ملتا ہے مثلاً دیکھئے ، ابن العربی ,,ترجمان الاشواق،، ص ۸۳ ، ۱۲۷ ، اور ابتداء میں ص ۹ پر شیخ نے یه بھی فرما دیا ہے که ,,فکل اسم اذکره فی هذا الجزء فعنها اکنی ....،، یعنی ان اشعار میں خواه کوئی بھی نام آئے مراد وهی ہے ـ

۷۶ ـ دیکھئے ابن العربی ، ترجمان الاشواق ، ص ۹ ، ۱۰، ۱۹۹

۷۷ ـ ایضاً ، ص ۱۱

۷۸ ـ المقّری ، نفح الطّیب ، ۱/۵۷۱ ، ۵۷۲

۷۹ ـ ابن العربی ، ترجمان الاشواق ، ص ۱۵۲ ، ۱۵۳

۸۰ ـ ایضاً ، ص ۳۳ ، ۳۴

۸۱ ـ دیکھئے آنخل ... ، تاریخ الفکر الاندلسی ، ص ۳۷۷

۸۲ ـ مثلاً دیکھئے صفحات ۸۱، ۸۳، ۹۰، ۱۰۸، ۱۱۱، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۱۹ ـ ۱۲۱، ۱۲۲ ـ ۱۲۴، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۹۵، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۲۱۰، ۲۱۵، ۳۸۹ ـ ۳۹۳، ۳۱۳ ـ ۳۱۴، ۴۳۶ ـ ۴۴۷، ۴۴۸ ـ ۴۴۹، ۴۵۲ ـ ۴۵۳.

۸۳ ـ دیکھئے :

"*First Encyclopaedia of Islam,* edited by Houtsma, Wensinck et al, E. J. Brill 1987 Vol. VI, p. 796 (article MUWASHSHAḤ)

۸۴ ـ ایضاً ، بحوالۂ بالا ، نیز دیکھئے بطرس البستانی، ادباء العرب ـ ۳ ، ص ۱۶۵ ، ۱۶۶

۸۵ ـ ابن خلدون ، عبدالرحمن بن محمد ، مقدمه ابن خلدون ، بیروت ، (ت ـ ن) ، ص ۵۸۳ ، ۵۸۴

۸۶ ـ دیکھئے آنخل ... ، تاریخ الفکر الاندلسی ، ص ۱۶۰

۸۷ ـ دیکھئے بطرس البستانی ، ادباء العرب ، ـ ۳ ، ص ۱۶۲ ، ۱۶۳

۸۸ ـ مزید تفصیلات نیز نمونه هائے کلام کے لئے دیکھئے :

ابن سناء الملک ، هبة الله بن جعفر ، دار الطراز فی عمل الموشّحات ، تحقیق جودة الرکابی، دمشق ۱۹۳۹ء ، ص ۲۵ ، ۲۶

آنخل ... ، تاریخ الفکر الاندلسی ، ص ۱۴۳ ـ ۱۵۳

بطرس البستانی ، ادباء العرب ـ ۳ ص ۱۵۸ ـ ۱۶۱

First encyclopaedia of Islam, article "MUWASHSHAḤ".

۸۹ ـ ابن زیدون ، دیوان ابن زیدون ، ص ۱۶۵

۹۰ ـ دیکھئے المقّری نفح الطّیب ، ص ۱۶۵

۹۰ ـ دیکھئے المقری ، نفح الطّیب ، ، ۱/۴۱۷ ـ ۴۱۹

۹۱ ـ آنخل ... ، تاریخ الفکر الاندلسی ، ص ۱۵۶ ، ۱۵۷

۹۲ ـ ایضـاً ، ص ۱۴۴

۹۳ ـ ایضاً ، ص ۶۱۳ ـ ۶۳۰

۹۴ ـ دیکھئے ، ابن خلدون ، التعریف بابن خلدون و رحلته غربا و شرقا، تحقیق محمد بن تاویت الطنجی ، قاهره ، ۱۹۵۱ء ، ص ۹۱

۹۵ ـ دیکھئے آنخل ... ، تاریخ الفکر الاندلسی ، ص ۲۵۳

۹۶ ـ ابن خلدون ، کتاب العبر و دیوان و دیوان المبتدا والخبر ... ، بولاق ۱۲۸۴هـ ، ۷/۳۳۱ ، ۳۴۲

۹۷ ـ آنخل ... ، تاریخ الفکر الاندلسی ، ص ۱۳۹

۹۸ ـ الزّرکلی ، خیر الدین ، الاعلام ، بیروت ۱۹۸۰ء ، ۷/۱۵۴

۹۹ ـ آنخل ... ، تاریخ الفکر الاندلسی ، ص ۱۴۰ ، ۱۴۱

۱۰۰ ـ المقری ، احمد بن محمد ، ازهار الریاض فی اخبار عیاض ، قاهره ۱۹۳۹ء ـ ۱۹۴۲ء ، ۲/۱۶۹ .

۱۰۱ ـ Hitti, *History of the Arabs,* p. 555.

★★★

اندلس میں :
نعتیہ شاعری کے محرکات و موضوعات

محمد شریف سیالوی

ناقدین کا خیال ہے کہ اسلامی اندلس میں عربی ادب اور علوم دراصل مشرقی روایات ھی کا تسلسل ھیں (۱) مختلف علوم مثلاً عربی لغت و ادب، صرف و نحو ، شعر و بلاغت، قراءات وتفسیر، فقہ و تصوف اور فلسفہ و حکمت میں اسلامی دور کے اساطین علم وفن کی گہری چھاپ ہے (۲) اندلسی علماء نے حیرت انگیز حد تک مشرقی علوم کو اپنایا بلکہ ان میں معتدبہ اضافہ بھی کیا، مثلاً شعر میں روایتی اصناف سخن کے علاوہ نظم بدیع، موشحات اور ازجال تو صرف اھل اندلس کی اختراع ھیں (۳) مذکورہ بالا اصناف اور ممتاز شعراء مثلاً ابن المعتز، ابن قزمان وغیرھما پر کئی تحقیقی مقالات لکھے جا چکے ھیں لیکن دینی ادب کے حوالے سے اندلس میں نعتیہ شاعری کے ارتقاء اور محرکات و موضوعات پر کوئی مبسوط کام نہیں ھوا ۔

یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ عربی زبان و ادب میں نمایاں حصہ ان اندلسی علماء کا ہے جو مشرقی اسلامی ممالک سے قرطبہ، شاطبہ، اشبیلیہ ، مالقہ اور دیگر بلاد و امصار اندلس میں وارد ھوئے نیز یہ امر بھی حقیقت ہے کہ اندلسی علماء کی خاصی تعداد نے مشرق میں واقع علمی مراکز سے بھر پور استفادہ کیا اور پھر ان ادبی اور علمی روایات کو اپنے ھاں متعارف کروایا (۴)۔

نعتیه شاعری کے حوالے سے سب سے بڑا محرک تو ایمان بالرسولؐ اور آپؐ کی محبت و اتباع ہے۔ بتقاضائے ایمان ہر مؤمن پیغمبر اسلام صلی اللہ علیه وسلم کے حضور قلب و نگاہ فرش راہ کرنے کو تیار رهتا ہے۔ اور جس شخص کو زبان و بیان پر قدرت حاصل ہو یه کیونکر ہو سکتا ہے که وہ بارگاہِ رسالتؐ میں ہدیه عقیدت پیش نه کرے۔ یہی وجه ہے که صدر اسلام سے ہی یه روایت حضور رسول پاک صلی اللہ علیه وسلم کے صحابه سے آرہی ہے (۵)

البته فقه و تصوف کے علماء نے نعتیه شاعری کو محبت و عقیدت کے علاوہ علم کا پیرایۂ مہیا کیا ، اندلس میں بھی علماء ، فقہاء اور صوفیاء کا ایک جم غفیر مـلتا ہے جنھوں نے یاد رسول صلی اللہ علیه وسلم کے گلدستے سجا کر قلب و نظر کی تازگی کا اہتمام کیا ، اس کارخیر میں حکام ، امراء اور سلاطین بھی پیچھے نہیں رہے۔ علاّمه مقری نے ان محافل کا حال بڑی تفصیل سے پیش کیا (٦)

اندلسی نعتیه شاعری میں موضوعات اور اسالیب کے لحاظ سے بڑا تنوع ہے۔ تشبیب سے قصیدے کا آغاز ہوتا ہے ، کہیں واردات قلبی کا بیـان نمایاں ہے تو کہیـں سراپا قدس کی تعریف و ثناء ہے ، معجزات اور کمالات مصطفوی کا تذکرہ بڑی عقیدت سے ہے ، عروض و قوافی کی مناسبت سے قصیدہ بانت سعاد (۷) کی تضمین اور وزن پر متعدد قصیدے نظم کیئے گئے ، توشیح ، تخمیس اور تسدیس میں نعتیں لکھی گئیں ، نظم بدیع میں ایسے قصائد ہیں جن میں قافیه حروف ہجاء کی ترتیب سے آتا ہے ، کہیں قصیدے کے ہر بیت کے اول و آخر میں خاص حرف تہجی کا التزام کیا گیا ، حضور علیه الصلوۃ والسلام کی بارگاہ میں درود و سلام ، شفاعت کی درخواست ، خلفاء راشدین ، صحابه و اہل بیت علیہم الرضوان کے ساتھ تعلق خاطر

نعت کے اہم اجزاء تھے ۔

ابو زکریا یحیی بن محمد بن خلدون (۷۸۰ھ) کا نعت گوئی میں خاص مقام تھا ، وہ ذکر دیار حبیب ، فراق کی صورت میں عاشق کی کیفیات اور سوز و گداز نیز اپنی قلبی واردات کے ساتھ قصیدے کا آغاز کرتے ہیں ۔ ملاحظہ ہو (۸)

ماعلی الصبّ فی الهوی من جناح

أن یری حلف عبرة و افتضاح

وإذا ما المحبّ عیل اصطبارا

کیف یصغی إلی نصیحة لاحی

ترجمہ : محبت میں عاشق کیلئے کوئی حرج نہیں کہ وہ اس کے ساتھ آنسو اور رسوائی دیکھے ، عاشق جب بےصبرا ہو جائے تو وہ کیونکر ملامت کرنے والے کی نصیحت پر کان دھرتا ہے ۔

بارگاہ نبویؐ میں گلہائے عقیدت پیش کرنے کے ساتھ ساتھ اپنے گناہوں کا اعتراف اور رب العزت کے حضور جذبۂ محبت رسولؐ کو بطور وسیلہ پیش کرتے ہیں (۹)

واخساری یوم القیامة إن لم

یغفر الله زلّتی واجتراحی

لم اقدّم وسیلة منه إلاّ

حبّ خیر الوریٰ الشفیع الماحی

ترجمہ : ہائے خسارہ ہے بروز قیامت اگر اللہ میری لغزش اور گناہ نہ بخش دے ، میں بجز خیر الوریٰ شفیع و ماحی کی محبت کے کوئی وسیلہ پیش نہیں کر سکتا ۔

محبت رسول وسیلۂ نجات اور ذریعہ بخشش ہے ۔ وادی آش کے عبداللہ بن عبدالعظیم النمیری اسی فکر کو یوں نظم کرتے ہیں (۱۰)

بعثت ودادی و إشتیاقی وسیلة

و إنی فی باب الرجاء باسط کفّا

و إنّ ذنوبی کا لجبال رجاحة

وحبّک یا مولای ینسفها نسفا

أخیرة خلق الله شوقی اذا بنی

وکدت بحمل الشوق والحبّ ان افنی

صلاتي وتسلیمی علیک مردّد

اجوز علی حدّا لصراط به خطفا

ترجمہ : میں نے اپنی محبت اور شوق کو بطور وسیلہ بھیج دیا ، میں اس درِ امید پر اپنا ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں ، اگرچہ میرے گناہ پہاڑ کی طرح بھاری ہیں لیکن میرے آقا آپ کی محبت انہیں ریزہ ریزہ کر سکتی ہے۔ اے مخلوق خدا میں سب سے بہتر!میرے شوق نے مجھے پگھلا دیا اور قریب ہے اس عشق و محبت میں فنا ہو جاؤں ، آپ پر بار بار اپنا دردو سلام پیش کرتا ہوں تاکہ پل صراط کی تیز دھار سے آنکھ جھپکنے میں گزر جاؤں۔

واردات قلبی اور جذبات محبت کی حسین تصویر عبدالعزیز علی الغرناطی کے ہاں ملتی ہے (۱۱)

القلب یعشق والمدامع تنطق

برح الخفاء فکل عضو منطق

إن کنت اکتم ما اکن من الجوی

فشحوب لونی فی الغرام مصدّق

فلکم سترت عن الوجود محبّتی

والدمع یفصح مایسرّ المنطق

فمتی نظرت فأنت موضع نظرتی

ومتی نطقت فما بغیرک انطق

يا سائلي عن بعض كنه صفاته

كلّ اللسان وكلّ عنه المنطق

ترجمہ : دل محبت کناں ہے اور آنسو گویا ہیں ، خفاء ہٹ گیا اور ہر عضو بولنے لگ گیا ، اگر میں مخفی عشق کو پوشیدہ بھی رکھتا تو محبت میں رنگت کی تبدیلی اس کی تصدیق کر دیتی ، کب تک میں اس محبت کو چھپا سکوں گا کیونکہ آنسو اس پوشیدہ امر کا اظہار کر دیتے ہیں ، میں جب بھی دیکھتا ہوں میری نگاہوں کا مرکز آپ ہیں ، اور جب بولنا چاہوں تو آپ کے بغیر بول نہیں سکتا ۔ مجھ سے آپ کی صفات کی حقیقت کے بارے پوچھنے والے سن لے کہ زبان و کلام آپ کی توصیف میں کند اور عاجز ہو جاتے ہیں ۔

اثیر الدین ابو حیان محمّد بن یوسف (متوفّی ۷۴۵ ھ) نے قصیدہ بانت سعاد کے وزن پر قصیدہ ترتیب دیا پہلا بیت یوں ہے (۱۲)

لا تعذلاه فما ذوالحبّ معذول

العقل مختبل والقلب متبول

ترجمہ : عاشق کو ملامت نہ کرو عاشق کو ملامت نہیں کی جانا چاہیے اس لئے کہ اس کی عقل خراب ہے تو دل بیمار ۔

اس طویل قصیدہ میں معجزات رسول کا بیان ہے (۱۳)

وكم له معجزا غير القرآن اتى

فيه تضافر منقول و معقول

فللرسول انشقاق البدر نشهده

كما لموسى انفلاق البحر منقول

ونبع ماء فرات من انامله

كالعين ثرّت فما الهتّان ما الفيل

وروّى الخميس وهم زهاء سبعمئى

مع الركاب فمشروب و محمول

وردّ عين بكفّ جاء يحملها
قتادة وله شكوى و تعويل
والجذع حـــنّ اليه حين فارقه
حنين ولهاً لها المرؤم مثكول
واشبع الكثر من قلّ الطعام ولم
يكن يمعرّه بالكثر تقليل
وفي جراب ابي هرّ عجائب كم
يمتازمنه فمأكول و مـــبذول
والعنكبوت بباب الغار قد نسجت
حتى كأن رداء منه مسدول

ترجمه : ,,قرآن کے علاوہ بھی آپ کے کئی معجزے ھیں جن پر نقلی اور عقلی روایات بکثرت ھیں ، ھم دیکھتے ھیں رسول اللہ کے لئے شق بدر کا ایسا معجزہ ہے جیسے حضرت موسی کے لئے سمندر کا پھٹ جانا منقول ہے ۔ آپ کی انگلیوں سے گویا فرات کا پانی بہہ نکلا جیسے کوئی چشمہ زور دار طریقہ سے پھوٹ نکلے ، ھتان اور نیل کی یہاں کیا حیثیت!سات سو سے زاید افراد پر مشتمل لشکر بمع اپنی سواریوں کے سیراب ھوا،پانی پیا بھی اور ضرورت کے لئے ساتھ بھی لے لیا گیا، حضرت قتادۃ ھتھیلی پر اپنی آنکھ رکھ کر لائے تو اسے صحیح سلامت اپنی جگہ پر لوٹا دیا ، ان کی فریاد اور بھروسہ بھی تو آپ ھی پر تھا ، کھجور کا تنا آپ کی جدائی اور شدید محبت میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا اس لئے کہ آپ کی ذات سے مامتا کی سی محبت ہے ۔ تھوڑے کھانے سے کئی افراد کو سیر کر دیا ، کھانے والوں کی کثرت کو یہ کم کھانا محروم اور بے توشہ کرنے والا نہ تھا ، حضرت ابو ھریرۃ کے توشہ دان کے کتنے عجائب ھیں اس میں سے

کھایا بھی جاتا ہے اور خرچ بھی کیا جاتا ہے ، مکڑی غار کے دھانے پر جالا بن دیتی ہے گویا ایک چادر ہے جسے لٹکا دیا گیا ہو ۔ "

بیان معجزات میں کئی اور نمونے بھی پیش کیئے جا سکتے ، بغرض اختصار ابوبکر احمد بن جزی کے قصیدے سے چند اشعار درج کئیے جاتے ہیں ، اس قصیدہ کا دلچسپ پہلو یہ ہے کہ ہر بیت کا عجز (دوسرا مصرع) امرؤالقیس (۱۴) کے مشہور قصیدہ سے مأخوذ ہے ملاحظہ ہو (۱۵)

الم ترأنّ الطبية استشفعت به

تميل عليه هونة غير مجفال

وقال لها عودی فقالت له نعم

ولو قطّعوا رأسی لديک اوصالی

واضحی ابن حجش بالعسيب مقاتلا

وليس بذی رمح وليس بنبّال

وحسبک من سوط الطفيل اضاءة

كمصباح زيت فی قناديل ذبّال

ترجمہ : کیا تو نے نہیں دیکھا کہ ہرنی آپ سے سفارش کی درخواست کرتی ہے ، بڑے آرام اور بے خوفی سے۔آپؐ نے فرمایا لوٹ کر آ جانا تو اس نے کہا ,,ہاں " اگرچہ آپؐ کے پاس وہ میرا سر اور سب جوڑ ہی کاٹ ڈالیں ، ابن حجش کھجور کی شاخ سے ہی لڑنے لگے وہ نہ تو نیزے والے تھے اور نہ ہی تیر انداز ، طفیل کی لاٹھی یوں روشنی دیتی ہے گویا قندیل میں رکھا ہوا زیتون کے تیل سے روشن بتی والا چراغ ہو ۔

قدیم قصیدہ کے اسلوب کو برقرار رکھتے ہوئے دیار محبوب کی طرف جانے والے کو پیغام دینا ، بارگاہ محبوب کے آداب کی پاسداری

پر تاکید اور عاشق دلفگار کی حالت زار بیان کر کے محبوب کی توجه کا طالب هونا اور اسی نوعیت کے دوسرے رحجانات کا اندلسی نعتیه شاعری میں واضح اظہار هوتا ہے ، لسان الدین ابن الخطیب ((۱۶) کا قصیده جو انہوں نے سال ۷۶۳ھ کی محفل میلاد میں سنایا ، چند ابیات یه هیں (۱۷)

نشدتک یا رکب الحجاز تضاءلت
لک الارض مہما استعرض السهل وامتدا
اذا أنت شافهت الدیار بطیبة
وجئت بها القبر المقدس واللحدا
وانست نورا من جناب محمد
یجلی القلوب الغلف والاعین الرمدا
فتُب عن بعید الدار فی ذلک الحمی
واذربه دمعا و عفّربه خدّا
وقل یا رسول الله عبد تقاصرت
خطاه واضحی من احبّته فردا

ترجمه : اے حجاز کے سوار! زمین کے طویل و عریض میدان تمہارے لئے سکڑ جائیں ، جب طیبه کی سر زمین دیکھے اور وهاں اس قبر مقدس پر حاضر هو تو بارگاه محمدی کے نور سے مانوس هو جانا کیونکه یه نور بند دلوں کو اور آشوب زده نگاهوں کو جلا بخشتا ہے۔ اپنے گھر سے دور اس پناهگاه میں رجوع کر ، اپنے آنسو بہا اور خاک پاک اپنے رخسار پر ڈال دے ، عرض کرنا یا رسول الله ایک غلام ہے جس کے قدم چلنے سے قاصر هیں اور وہ چاهنے والوں سے بچھڑ کر تنہا رہ گیا ہے۔

مدیح الرسول کی صنف میں لسان الدین ابن الخطیب کا کلیدی کردار ہے ، ان کی اولاد اور تلامذہ کی ایک کثیر تعداد کو نعتیه

شاعری میں درجۂ کمال حاصل تھا ۔ یہ لوگ محض شاعر ھی نہ تھے بلکہ علوم شریعت کے ماھر بھی تھے ، اس لئے ان کے نعتیہ قصائد میں قرآن و سنت اور تاریخ و آثار کے حوالے ملتے ھیں ، اندلس میں قاضی عیاض کی ,,کتاب الشفاء بتعریف حقوق المصطفی،، بڑی مقبول تھی، ھر خاص و عام اس کتاب کا مطالعہ بڑے شوق سے کرتا، یہی وجہ ہے کہ نعتیہ قصائد کے مضامین کا سب سے بڑا مآخذ بھی یہی کتاب ہے۔ لسان الدین ابن الخطیب کے متعدد قصائد ھیں جو انھوں نے امراء و سلاطین کے زیر اھتمام محافل میلاد میں پڑھے، ان کے قصائد میں مضامین کے اعتبار سے خاصا تنوع پایا جاتا ہے۔ رسول اللہ کے فضائل، محاسن، شمائل اور معجزات و کرامات کا بیان ان کی سیرت، تاریخ اور علوم دینیہ سے آگہی کا عمدہ ثبوت ہے۔ ادبی اور اسلوب نگارش کے اعتبار سے وہ نظم و نثر ھر دو میں ایک دبستان اور روایت کے بانی ھیں ۔ یوم ولادت رسولؐ پر ان کے قصیدے کے چند اشعار (۱۸) :

لمولدک اھتزّ الوجود فاشرقت

قصور ببصری ضاءت الھضب والوھدا

ومن رعبه الاوثان خرّت مھابة

ومن ھوله ایوان کسری قد انھدّا

رعی اللہ منه لیلة اطلع الھدی

علی الارض من آفاقھا القمر السعدا

ترجمه : آپ کی ولادت سے کائنات جھوم اٹھی ، بصری کے محلات تک روشنی پھیل گئی ، بلندی و پستی چمک اٹھی ، آپ کے رعب سے بت اوندھے منه گر پڑے اور آپ کے دبدبه سے ایوان کسری گر گیا ، اس رات کی خیر ھو جس میں زمین پر بلندیوں سے ھدایت کا خوش بختی والا چاند طلوع ھوا .

عبداللہ بن لسان الدین ابن الخطیب نے اپنے والد کی روایت کو برقرار رکھا ، سال ۷۶۴ھ کی محفل میلاد میں نعتیہ قصیدہ پڑھا جس کا ایک شعر یوں ہے (۱۹)

واکـــرم بلیـــلـــة میـــلادہ

علی کل وقت و عصـر و جیل

محفـل میـلاد سـال ۷۶۵ھ کـے قصیـدے میـں سے چنـد اشعـار ذیـل میـں ھیں (۲۰) ۔

للہ مـولـدہ الـذی انـوارہ

صدعت ظلال للضـلال بھیمـا

شرعت من التائیـد سیف ھدایة

اردت ظبـاہ فـارســا والــرومـا

ترجمہ : آپ کا یوم ولادت تو اتنا عظیم ہے کہ اس دن کے انوار نے گمراھی کی سخت تاریکیوں کو پھاڑ ڈالا ، تائید الھی سے ھدایت کی ایسی تلوار سونت لی جس نے فارس و روم کو تباہ کر دیا۔

یوم ولادت سید المـرسـلین کی مناسبت سے ابن الجیان کے نعتیہ قصائد اور بالخصوص صلوۃ و سلام اندلسی شاعری کے امتیازات و خصائص کا نمائندہ ھیں ملاحظہ ھو (۲۱)

دنت النجوم الزھر یوم ولادتہ

ورأت حلیمة ایة لسیادتہ

وتحدثت سعد بذکر سعادتہ

فتفاءلوا نعم الیتیم یتیما

صلوا علیہ وسلموا تسلیما

ترجمہ : آپ کی ولادت کے روز روشن ستارے قریب آ گئے ، حلیمہ نے آپ کی سیادت (سروری) کی نشانی دیکھ لی ، سعدیہ نے

اپنی خوش بختی کا تذکرہ کیا تو انہوں نے اسے نیک فال جانا اور کہا یہ یتیم بہت خوب ہے۔

درود و سلام پر مشتمل اکثر قصائد تخمیس کی نوع سے ہیں ، ابو اسحاق ابراہیم بن سہل الأشبیلی (۲۲) کا اس اسلوب میں قصیدہ میلادیة ہے (۲۳)۔

ابدی جبین أبیه شاهد نوره

سجعت به الکهان قبل ظهوره

کالطیر غرد معربا بصفیره

عن وجه اصباح یطل نسیما

صلوا علیه وسلموا تسلیما

ترجمہ : آپ کے والد مجترم کی پیشانی نے آپ کے نور کو ظاہر کیا ، کاہنوں نے آپ کے ظہور سے قبل ہی اس نور کی توصیف کی گویا پرندہ اپنی آواز سے اس طلوع صبح کی خبر دے رہا ہے جو باد نسیم کو اوپر سے جھانکتا ہے۔

اندلسی نعتیہ شاعری میں درود و سلام پر مبنی تخمیس کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی ۔ تقریباً ہر نعت گو شاعر نے اس اسلوب میں کلام موزون کیا اور بدیع کے حوالے سے اس میں خوب جدت پیدا کی۔ مثلاً مالک بن المرحل مالقی کا ایک نعتیہ قصیدہ ہے ہر بند کو خاص حرف تہجی سے شروع کیا اور اسی پر ختم کیا اور پھر یہ قطعات حروف ہجاء کی ترتیب کے ساتھ ہیں ۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو (۲۴)

الف ، اجل الانبیاء نبیّ

بضیائه شمس النهار تضیئی

وبه یؤمل محسن و مسیئی

فضلا من الله العظیم عظیما

صلوا علیه وسلموا تسلیما

قاف ، قوافی النظم عنه تضیق

أیطیقه الإنسان لیس یطیق

فالخلق فی التقصیر عنه خلیق

ولو أنّهم ملئوا الفضاء رقوما

صلّوا علیه و سلموا تسلیما

ترجمہ : الف ، انبیاء میں سے عظیم نبی جس کی چمک سے دن کا سورج چمک پاتا ہے ، نیک و بد کی امید آپ ھی سے وابستہ ہے ، آپ اللہ کی طرف سے فضل عظیم ھیں۔

قاف : قافیہ شعر آپ کے بارے تنگ دامن ھو جاتے ھیں ، بھلا کوئی انسان آپ کے وصف و ثناء کا حق ادا کرنے کی طاقت رکھتا ہے ؟ طاقت نہیں رکھتا ، مخلوق آپ کے وصف سے عاجزی کے لائق ہے خواہ وہ کائنات کے صفحہ کو لکھنے سے بھر دیں .

طبقہ صوفیاء میں سے ابن العریف متوفی ۵۳۶ ھ کا نام مدح الرسولؐ میں بہت نمایاں ہے۔ ,,مطالع الانوار و منابع الاسرار،، کے چند آخری اشعار مطالعہ فرمائیے (۲۵)

صلی الا له علی النبی اهادی

مالاذت الارواح بالاجساد

صلی علیه الله ما همع الحیا

فسقی البلاد برائح أو غادی

صلی علی خیر الانام محمد

من خصّه بالنور و الارشاد

صلی الا له علی رسول خاتم

ختم النبوة بالکتاب الهادی

ترجمہ : اللہ کی طرف سے رحمت ہو نبی ہادی پر جب تک ارواح جسموں میں پناہ گزین ہیں ۔ اللہ کی طرف سے رحمت ہو آپؐ پر جب تک موسلادھار بارش ہوتی رہے اور صبح و شام شہروں کو سیراب کرتی رہے ،

اللہ کی طرف سے سلام ہو محمد پر جو خیر الانام ہیں اور جنہیں اللہ نے نور و ارشاد کے ساتھ خاص کر دیا ۔

اللہ کی طرف سے سلام ہو رسول خاتم پر کہ ھدایت والی کتاب دے کر آپ پر نبوت کو ختم کر دیا ۔

اسی طرح تسدیس میں محمد بن العفیف الحسنی الصفوی (۲۶) کے علاوہ بہت سے شعراء نے قصائد نظم کیئے ۔

چونکہ اس مضمون میں نعتیہ قصائد کے تفصیلی موضوعات اور ان کے شواھد کا احاطہ مقصود نہیں اس لئے اشارات اور منتخبات پر اکتفا کیا گیا ، بایں ھمہ اس سرسری جائزہ سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ نعتیہ شاعری ایک خاص طبقہ میں روایت کا درجہ رکھتی ہے اس سے مراد صوفیاء و صالحین اور ان کے معتقدین کا گروہ ہے ۔ صوفیاء اندلس میں سے شیخ محی الدین ابن عربیؒ کا نام قابل ذکر ہے ۔ اپنی شہرہ آفاق تصنیف ,,الفتوحات المکیّة ،، میں ہزاروں اشعار بارگاہ رسالتؐ میں نذر کرتے ہیں ۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو (۲۷)

الا بابی من کان ملکا وسیدا
وادم بین الماء والطین واقف
فذاک الرسول الابطحی محمد
له فی العلا مجد تلید وطارف
اذا زام امرا لا یکون خلافه
ولیس لذاک الامر فی الکون صارف

ترجمہ : میرے ماں باپ قربان اس شاہ اور سردار پر جو اس وقت بھی تھا جب آدم پانی اور گارے میں تھے ۔
محمدؐ بطحا کے والی اور وہ عظیم رسول ھیں جن کی بزرگی قدیم موروثی بھی ہے اور نئی بھی ۔
جب وہ کسی امر کا ارادہ کر لیتے ھیں ، تو اس کے خلاف نہیں ھو سکتا ، کائنات میں کوئی اس امر سے آپ کو پھیر نہیں سکتا ۔

یا حبذا المسجد من مسجد

وحبذا له الروضة من مشهد

وحبذا طيبة من بلدة

فيها ضريح المصطفى احمد

صلى عليه الله من سيّد

لولاه لم نفلح ولم نهتد

ترجمہ : مسجدوں میں سے مسجد نبوی خوب ہے ، اور زیارت گاھوں میں سے روضہ رسول خوب ہے ، شہروں میں طیبہ خوب ہے جس میں احمد مصطفی کی قبر انور ہے ، اس سرور کائنات پر اللہ کی رحمت ھو ، وہ نہ ھوتے تو نہ ھم فلاح پاتے اور نہ ھدایت ۔

موضوعات مدح الرسولؐ کی نسبت سے اندلسی نعتیہ شاعری کا ایک اور پہلو بھی سامنے آتا ہے وہ یہ کہ آپ کی ذات والا صفات سے محبت اور تعظیم کے ساتھ ساتھ آپ کے متعلقات بھی لائق تعظیم و احترام اور ذریعۂ برکت گردانے جاتے ۔ اس پس منظر میں نقش نعل پاک کی برکت کو والہانہ انداز میں نظم کیا گیا ۔ اس موضوع پر مقری کی ایک مستقل تالیف ,,فتح المتعال فی مدح النعال ،، سے ایک اندلسی خاتون کے قصیدے کے چند ابیات بطور نمونہ پیش کئیے جاتے ھیں (۲۸)

سالثم التمثال اذا لم اجد

للثم نعل المصطفی من سبیل

لعلنی احظی بتقبیله

فی جنّة الفردوس اسنی مقیل

ترجمہ : اگر مصطفی کے نعل پاک کو چہرے پر رکھنے کی کوئی صورت نہ بنی تو میں اس کے نقش پاک ھی کو اپنے چہرے پر رکھوں گی تاکہ مجھے اس کے چومنے کی برکت سے جنت الفردوس میں بلند ٹھکانہ نصیب ہو۔

عربی زبان کے علاوہ موریسکی اور اسپانوی زبانوں میں بھی یہ صنف شاعری منتقل ہوئی۔ عیسی بن جابر کے قصائد مدحیہ میں سے چند ابیات کا عربی ترجمہ پیش خدمت ہے (۲۹)

یا ربنّا ، صلّ علیه

واشملنا بحبّک معه

واخرجنا فی جماعته

فی رحاب محمـــد

یا جبیـــی یا محـــمد والصـــلاة عـــلی محمـد

ومن یرد حسن المآل

وبلوغ المقام العالی

فلیکثر فی ظلام اللیالی

من الصلاة علی محـمد

یا جبیبی یا محمد والصلاة عـــلی محمـــد

اسپانوی زبان واقعہ اسراء و معراج کے ساتھ ڈانٹے کی Paradise Lost کو اتنی مناسبت ہے کہ اس رائے کے قائم کرنے میں کوئی قباحت نہیں کہ مذکور بالا کتاب کا اصلی ماخذ اسلامی ادب ہے (۳۰)

حواشی و مراجع

۱ ـ تیارات النقد الأدبی فی الأندلس ، ص ۱۱ د. مصطفی علیان عبدالرحیم مؤسسة الرسالة ، بیروت ۱۹۸۶م

۲ ـ تفصیل دیکھیئے مقدمة ابن خلدون ، عبدالرحمن بن محمد بن خلدون متوفی ۸۰۸ ھ صفحات ۴۳۷ ـ ۵۱۳ منشورات الاعلمی للمطبوعات ، بیروت بلا تاریخ ظہر الاسلام ، احمد امین المصری : ۸۲/۳ ـ ۹۸ ، دارالکتاب العربی بیروت ، لبنان ۱۹۶۹م

۳ ـ موشح کی لغوی اور اصلاحی تحقیق دیکھیئے تاج العروس : ۲۴۶/۲ ، مقدمه ابن خلدون ص۵۸۳ـ ۵۸۸، تاریخ آداب العرب للرافعی : ۱۶۰/۳ ، تاریخ الفکر الاندلسی ص ۱۴۳ ،،زجل ،، دیکھیئے تاریخ الفکر الاندلسی ص ۱۴۳ ، الزجل فی الأندلس ، د. عبدالعزیز الاهوانی ، نفح الطیب : ۹/ ۲۲۸ ، تاریخ النقد الادبی عندالعرب ص ۵۰۸ ، د . ۱ احسان عباس ، دارالثقافة بیروت ۱۹۸۶م ، ظہرالاسلام : ۱۸۷/۳ ۱۹۱ ـ ۲۰۳

۴ ـ نفح الطیب ، احمد المقری : الباب الخامس والباب السادس، تاریخ الادب الاندلسی (عصر سیادة قرطبه) ص ۱۱ ، دار الثقافة ، ۱۹۶۹م .
ظہر الاسلام : ۵۶/۳ ـ ۶۳ ، ۱۰۶ ، ۲۲ ـ۲۷ .

۵ ـ کتاب الاغانی ، ابو الفرج الاصفہانی : اخبار حسان بن ثابت ، ۱۳۷/۴ ـ ۱۴۰ مؤسسة جمال للطباعة والنشر ، بیروت بلا تاریخ

۶ ـ نفح الطیب ، احمد مقری : ۲۱۳/۹ ـ ۲۱۵

۷ ـ کعب بن زہیر کا مشہور قصیده ہے اس کا پہلا بیت ہے
بانت سعاد فقلبی الیوم مبتول متیّم اثر ہالم یفد مکبول

۸ ـ المجموعة النبہانیة فی المدائح النبویة، یوسف النبہانی : ۶۰۱/۱ مطبعة المعارف بیروت ۱۳۲۰ھ .

۹ ـ ایضاً : ۶۰۲/۱

۱۰ ـ ایضاً : ۳۸۵/۲

۱۱ ـ ایضاً : ۲/ ۴۴۹

۱۲ ـ ایضاً : ۵۲

۱۳ ـ المجموعة النبہانیة فی المدائح النبویة : ۵۲/۳

۱۴ ـ امرؤالقیس جاہلی شعراء میں سے ہے۔ معلقات میں پہلا قصیده اسی کا ہے۔ یہاں جس قصیدے سے اقتباس ہے وہ معلقات میں شامل نہیں ۔

۱۵ ـ المجموعة النبہانیة : ۳۲۸ ـ ۳۲۹

۱۶ ـ مقری نے اپنی کتاب نفح الطیب کی آخری جلد میں لسان الدین بن الخطیب اور ان کے تلامذہ کی علمی و ادبی خدمات پر مفصل لکھا ـ وہ بلوشہ میں پیدا ہوئے ، غرناطہ میں پروان چڑھے ، وزارت کے عہدے پر فائز رہے، کئی کتابوں کے مصنف ہیں وفات ۷۷۶ ھ میں ہوئی ـ معجم المؤلفین : ۱۰/ ۲۱۶

۱۷ ـ المجموعة النبہانیة : ۳۸/۲

۱۸ ـ ایضاً : ۳۱/۲

۱۹ ـ ایضاً : ۳۵۱/۳

۲۰ ـ ایضاً : ۹۷/۳

۲۱ ـ نفح الطیب : ۱۰ / ۲۹۰

۲۲ ـ ابراهیم بن سهل الاسرائیلی (متوفی ۶۴۹ هـ) کا شمار ادباء و شعراء میں ہوتا ہے ـ پہلے یہودی تھے پھر مسلمان ہوئے ، مدح رسولؐ میں کئی شعر کہے ـ معجم المؤلفین : ۱ / ۳۷

۲۳ ـ نفح الطیب : ۱۰/ ۲۹۹

۲۴ ـ ایضاً : ۱۰/۳۰۷ ، ۳۰۸

۲۵ ـ ایضاً : ۱۰/۳۳۵

۲۶ ـ ایضاً : ۱۰/ ۳۳۱

۲۷ ـ الفتوحات المکیّة : الشیخ الاکبر محی الدین ابن عربی الطائی (دار الکتب العربیة الکبری، مصر)

۲۸ ـ فتح المتعال فی مدح النعال، احمد المقری ، ص ۲۷۳ ، طبعه أولی ، دائره معارف نظامیه ، ۱۳۳۳هـ

اس موضوع پر اندلسی شعراء کا کلام اسی کتاب کے صفحات ۲۶۷ ، ۲۷۲ اور ۲۷۶ میں دیکھا جا سکتا ہے ـ

۲۹ ـ تاریخ الفکر الاندلسی ، مترجم حسین مؤنس ، ص ۵۱۶ ، ۵۱۷ ، طبعه أولی ، مکتبه النهضة المصریة ، ۱۹۵۵ م .

۳۰ ـ ایضاً : ص ۵۵۱ ـ ۵۷۳ .

★★★

كتابة زخرفية بخط ثلثي جلي نصها : « عليك عــون الله » ، من كتابات البابا الخطاط تقليداً للوحة ، كتبها « سامي » سنة ٣٠٧ هـ .

اندلس میں عربی نثر نگاری

حبیب الرحمن عاصم

جزیرہ نمائے آئبیریا (Iberia) جسے فینیقیوں نے شاطیء الارانب (خرگوشوں کا ساحل) اور مسلمانوں نے ,,اندلس،، کا نام دیا سمندر ، دریاؤں اور کوھستانی سلسلوں والی اس سرزمین سے عبارت ہے جس پر بسک ، سلت ، جلالقہ، فندل ، قوط ، فینیقی، رومانی، عرب اور بربر قومیں بستی رھیں ۔ ان میں سے بعض کا وجود ختم ھو گیا اور بعض ابھی تک اپنی آخری سانسیں لے رھی ھیں ۔ مسلمانوں کی آمد کے ساتھ ھی عربی زبان نے بھی اپنے قدم جمانے شروع کر دیئے اور رفتہ رفتہ اسے وہ مرکزی حیثیت حاصل ھو گئی کہ کلیساؤں میں عبادت بھی عربی زبان میں کی جانے لگی ۔

اندلس میں عربی ادبی نثر کو ارتقاء کے انھیں مراحل سے گزرنا پڑا جو مراحل اسے مشرق میں پیش آئے تھے ۔ پہلے مرحلے میں مسجع و مقفیٰ اقوال ، حکم ، رسائل اور خطبات نے رواج پایا ۔ پھر عبدالحمید کا سا اسلوب نثر معروف ھوا جس نے ایجاز و اختصار کے بجائے بسط و تفصیل کا طریقہ اپنایا ۔ پھر ابن المقفع کی طرح کا انداز نگارش عام ھوا جس میں ھم معنی جملوں کی تکرار اور معانی میں بے تکلفی اور وضاحت پائی جاتی ہے۔ پھر جاحظ کا طرز تحریر معروف ھوا جس نے تفصیل کے ساتھ ساتھ ادبی موضوعات کو تنوع عطا کیا اس طرح مغرب کا عربی ادب مشرق کے عربی ادب سے مسلسل مربوط رھا ۔ یہ رابطہ تاجروں ، شاعروں، ادیبوں، عالموں اور

سیاست دانوں کے آنے جانے کی صورت میں رہا ۔ مشرق میں جو ادب تخلیق ہوتا مغرب میں فوراً اس کا چرچا ہو جاتا ۔ پھر امراء و ملوک اپنی درباری عظمت و برتری برقرار رکھنے کیلئے اور علماء اپنی علمی پیاس بجھانے کے لئے بڑی بھاری رقوم دے کر اسے خرید لیتے ۔ پھر اھل اندلس اس کی نقل میں اپنا ادب تخلیق کرتے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ایسا ادب بھی وجود میں آیا جسے مشرق میں پذیرائی ملی اس طرح اخذ و عطا کا سلسلہ جاری رہا ۔

مسلمانوں نے جب اندلس میں قدم رکھا اس وقت انھیں تبلیغ کے لئے اپنی افواج میں جذبہ جہاد بیدار رکھنے کی غرض سے نیز مختلف علاقوں میں امراء سے رابطے کے لئے جس چیز کی ضرورت تھی وہ شعر نہیں نثر تھی ۔ اس طرح نثر کی ابتدائی شکل رسائل، خطبات اور مکالمات کی شکل میں ہمیں ملتی ہے ۔

عبدالعزیز بن موسیٰ بن نصیر کے زمانے میں ,,قوط،، کے حاکم تودمیر کو خط لکھا گیا ,,بسم الله الرحمن الرحیم ۔ من عبدالعزیز الی تودمیر ، انه نزل علی الصلح وانه له عهد الله وذمته ألا ینزع عن ملکه ولا احد من النصاریٰ عن أملاکه ، وانهم لا یُقتلون ولا یسلبون اولادهم ونساءهم ، ولا یکرهون علی دینهم ولا تحترق کنائسهم،، (۱) ۔

اس طرح یوسف الفهری نے عبدالرحمن بن معاویة کو خالد بن یزید کے ذریعے خط لکھوایا ۔

,,امّا بعد فقد انتهی الینا نزولک بساحل المنکب وتأبّشُ من تأبش الیک ، ونزع نحوک من السراق واهل الختر والغدر ونقض الأیمان المؤکدة التی کذبوا الله فیها وکذبونا وبه جَلّ وعلا نستعین علیهم،، (۲)۔

عبد الرحمن الداخل کے دور سے لے کر الحکم کے دور تک فتوحات کے ساتھ ساتھ فنون لطیفه کی طرف بھی توجه دی گئی اور اس

ضمن میں مساجد، جامعات اور مدارس کی بنیاد رکھی گئی ، علماء و ادباء نے اپنا کام شروع کر دیا جن میں ابو موسیٰ الھواری ، عبدالملک بن حبیب ، یحیی بن یحیی اللیثی اور زیاد بن عبدالرحمن معروف ھیں (۳) ۔ اس دور میں بھی نثر پر دینی رنگ غالب رھا اور اسلوب تحریر و تقریر میں سجع و قافیه اور پر تکلف غریب الفاظ کا استعمال جاری رھا ۔ البته عبدالرحمن الاوسط کے دور حکومت سے لے کر المنذر اور عبدالله کے دور تک عرب ثقافت نے ایک قدم اور آگے بڑھایا ۔ عبدالرحمن الاوسط اور اسکا پوتا عبدالله دونوں علوم و فنون سے گہرا شغف رکھتے تھے انھوں نے مشرق کی طرف بہت سے لوگوں کو روانه کیا جو وھاں علم و آگھی کی دولت سے مالا مال ھو کر آئے (۴) ۔ عباس بن ناصح نے عربی ادب کا بہت بڑا ذخیره اندلس میں جمع کر دیا (۵) ۔ عبدالله کے بارے میں ابن حیان کا کہنا ہے :

,,کان متصرفاً فی فنون ، متحققا منها ، عالماً بلسان العرب بصیراً بلغاتها وایامها حافظاً للغریب والأخبار ،،(٦) ۔

اس دور کی نثر نے مشرقی کاتب عبدالحمید بن یحییٰ کا اسلوب اپنایا جس نے ایجاز واختصار کے ساتھ ساتھ اطناب و تفصیل کو بھی جگه دی اس کے علاوه جاحظ کا طرز تحریر بھی اپنایا جانے لگا جو چھوٹے چھوٹے خوبصورت جملوں کا مرقع ہے ۔ وه ایک مفہوم کو مختلف جملوں کا لباس پہناتا ہے جو بظاھر تکرار کا احساس دلاتے ھیں لیکن درحقیقت یه اپنے مقصود کو قاری کے ذھن میں راسخ کرنے کا ایک اچھوتا انداز ہے ۔

اس دور کے رسائل میں وه خط نمایاں حیثیت رکھتا ہے جو امیر محمد بن عبدالرحمن الاوسط نے عبدالملک بن امیه کے نام لکھا ۔ اس خط میں حروف جر کا خوبصورت استعمال ہے ۔ اور مختصر

جملے ھیں جو تکرار مفہوم کے باوجود قاری کیلئے اکتاھٹ کا باعث نہیں بنتے ـ

,,قد فهمنا عنک ، ولم نأت ما اَتينا عن جهل بک لكن اصطناعاً لک ، وعائدة عليک ، وقد ابحنالک الاستعانة باهلٰ اليقظة من الكتاب.

فتخيّر منهم من تثق به وتعتمد عليه ـ ونحن نعينک على امرک بتفقد كتبنا والاصلاح عليک الى أن تركب الطريقة وتبصر الخدمة ان شاء الله ،، (۷) ـ

عبدالرحمن الثالث کا ابتدائی دور باھمی مخاصمتوں اور بیرونی طور پر مسیحیوں اور فاطمیوں کے ساتھ جنگوں کا دور تھا لیکن عبدالرحمن نے خوش اسلوبی کے ساتھ اندرونی اور بیرونی دشمنوں کو زیر کر لیا ـ سیاسی اکھاڑ پچھاڑ علمی و ادبی سرگرمیوں پر اثر انداز ھوتی ہے لیکن جلد ھی امن و آتشی اور خوشحالی بحال ھو گئی۔ اسی دور میں حکم بن عبدالرحمن نے مسند اقتدار سنبھالی اس نے جس طرح علماء اور ادباء کی سرپرستی کی کوئی بھی نہ کر سکا ـ کتابوں کا وہ عاشق تھا ، اس کے اپنے کتب خانے میں چار لاکھ کتابیں تھیں ـ ابو الفرج الاصفہانی کو ایک ھزار دینار بھجوائے تاکہ وہ ,,الأغانی،، ارسال کر سکے (۸) ـ الحکم خود بھی علماء کو مختلف موضوعات تجویز کیا کرتا تھا کہ وہ ان پر لکھیں ان کے لئے اپنے محل میں نشستیں مخصوص کر دی تھیں ـ جہاں بیٹھ کر وہ تحریر و تالیف کا کام کرتے تھے ـ

اس دور کے مشہور نثر نگاروں میں ابن المنذر ، ابن جهور ، ابن بسیل ، ابن فطیس، ابن ابی عامر اور المصحفی شامل ھیں ، خواتین میں مزنه اور لبنی مشہور ھوئیں ـ مزنه خلیفه ناصر کی کاتبه تھی اور لبنی خلیفه مستنصر کی ـ ھشام الثانی کے دور میں حکم بن محمد بن

ابی عامر نے جسے المنصور کا لقب دیا گیا ، امراء،علماء اور عوام پر بہت ظلم کیا وہ خود بھی دین سے برگشتہ تھا اس لئے شراب و شباب کی محفلیں عام ہو گئیں اور علم و ادب کا بازار سونا ہو گیا ۔ علوم فلسفہ پر تو اس نے کاری ضرب لگائی ۔ الحکم المستنصر کے کتب خانے میں موجود فلسفہ کی تمام کتابوں کو نذر آتش کروا دیا ۔ لغوی بحثوں میں اگرچہ کچھ جان رہی لیکن وہ بھی صاعد البغدادی کے اندلس آنے کی وجہ سے ہوئی ، مجموعی طور پر یہ دور ادب کے جمود کا دور تھا البتہ ایک ایسے اسلوب نثر نے دواوین و مکاتب میں رواج پانا شروع کر دیا جو نثر قدیم سے مشابہت رکھتا تھا ۔ اس میں سجع کا خاص خیال رکھا جاتا اور تحریر میں ,,جناس،، ,,مقابلہ،، اور ازدواج،، جیسے صنائع و بدائع کا اهتمام کیا جاتا اس کے علاوہ اس میں اشعار کا استعمال بھی عام ہونے لگا ۔ اس کی مثال ہمیں ابن دراج القسطلی کے اس خط سے ملتی ہے جو اس نے سلیمان بن الحکم کو لکھا (۹) ۔

,,ما شاللہ أن استشف الحسی قبل جمومه ، واستکره الدّر قبل حفوله . أو اتعامی عن سراج المعذرة وارغب عن ادب اللہ فی نظرة الی میسرة ولکن .

ماذا تقول لافراخ بذی مرخ
حمر الحواصل لاماء ولا شجر
ما اوضح العذر لی لو انهم عذروا
واجمل الصبر بی لو انهم صبروا
لکنهم صغروا عن ازمة کبرت
فما اعتذاری عمن عذره الصغر

فـن خطابت :

اندلسی فن خطابت میں بھـی مشرقـی فن خطابـت کا عکس دکھائی دیتا ہے ابتدائی دور کا سب سے معروف خطبه جو طارق بن زیاد کی طرف منسوب کیا جاتا ہے مثالی حیثیت رکھتا ہے ۔ کشتیاں جلانے کے بعد طارق بن زیاد نے اپنی افواج کو مخاطب کیا :

,,اَیّها الناس ۔ أین المفر ؟ البحر وراءکم والعدو امامکم ولیس لکم والله الا الصدق والصبر ، واعلموا انکم فی هذه الجزیرة اضیع من الأیتام فی مأدبـة اللئام ، ولا اقوات لکم الا ما تستخلصون من ایدی عدوکم ..... (۱۰) ۔

اس نص کے بارے میں بعض شکوک کا اظہار کیا جاتا ہے۔ ایک تو یه که اندلس ۹۲ هـ میں فتح هوا اور طارق جو که بربر تھا کچھـ عرصه قبل هی موسی بن نصیر کا خادم بنا اس لئے وه اس محدود عرصے میں اتنا بلیغ خطبه نهیں دے سکتا ۔ دوسرا یه که اس کا ذکر صرف ,,المقری،، کی کتاب ,,نفح الطیب،، میں ملتا ہے اور اس نے بھی بغیـر کسـی مصـدر کـے اس کا ذکر کیا ہے ۔

تیسرا یه که اس نے اپنے لشکر کو عرب لشکر کهه کر خطاب کیا جبکه اس کا لشکر بربروں پر مشتمل تھا وه کهتا ہے ,,وقد اختارکم امیر المومنین من الابطال عربانا ،، ان باتوں سے یوں لگتا ہے جیسے یه خطبه فتح اندلس کے بهت بعد منسوب کیا گیا ۔

عبدالرحمن الداخل بھی اپنے بلیغ خطبات کی وجـه سے بهت مشهور هوا ایک بار اپنے لشکریوں کو یوسف الفهری کے خلاف جنگ پر ابهارنے کے لئے خطاب کیا۔

,,هذا الیوم هو أس مایبنی علیه ۔ اما ذل الدهر واما عز الدهر ، فـاصبـروا سـاعـةً فیمـا لا تشتهـون تَـر بحـوابهـا بقیـة اعمـارکـم فیمـا تشتهـون ،، (۱۱) ۔

الحکم الربضی اور اس کے بعد اس کا بیٹا عبدالرحمن الاوسط بھی اس فن میں کسی سے پیچھے نہیں تھے ۔ عبدالرحمن الاوسط کا وہ خطبہ جو اس نے اپنے والد الحکم الربضی کی وفات پر دیا ، عبدالحمید کے اسلوب بیان کا واضح ثبوت ہے جس میں سجع کا عنصر بھی ہے اور اطناب و تفصیل بھی ۔

,,الحمد لله الذی جعل الموت حتماً من قضائه ، وعزما من امره ، واجری الامور علی مشیئته فاستأثر بالملکوت والبقاء . واذل خلقه فما (لهم نجاة من) الفناء ۔ تبارک اسمه وتعالی جده وصلی الله علی نبیه ورسوله وسلم تسلیما،، (۱۲) ۔

اسی طرح فقیه منذر بن سعید البلوطی کا وہ خطبہ جو اس نے قسطنطنیة کی سفارت کے اعزاز میں دیے جانے والے استقبالیه میں دیا تھا ۔ النثر الخالص یا اسلوب جاحظ کی مثال ہے ۔ اس استقبالیه میں پہلے ابوعلی القالی نے تقریر کی تو منذر بن سعید البلوطی کھڑا ہوا اور ان الفاظ میں خطاب کیا :

,,امّا بعد حمدأالله والثناء علیه والتعداد لآ لائه والشکر لنعمائـه . والصلاة علی محمد صفیه وخاتم انبیائه ، فان لکل حادث مقاماً ولکل مقام مقالاً ۔ ولیس بعد الحق الا الضلال وانی قمت فی مقام کریم ، بین یدی ملک عظیم فاصغوا إلی معشر الملأ باسماعکم ۔ وأتقنوا عنی بأفئدتکم ۔ إن من الحق أن یقال للمحق صدقت، وللمبطل کذبت ...الخ ۔

مکالماتی ادب :

مختلف اصناف نثر میں مکالماتی ادب بھی ایک نمایاں حیثیت رکھتا ہے ۔ اس کے اسالیب میں وہی تدریج اور تنوع پایا جاتا ہے جو باقی اصناف میں پایا جاتا ہے ۔ امیر عبدالله اور اس کے ایک غلام کے درمیان ہونے والا مکالمه مختصر اور خوبصورت جملوں کا مرقع ہے ۔

امیر عبداللہ کہتا ہے :۔

,,ان مخائل الامور لتدل علی خلاف قولک وتنبیء عن باطل تنصلک ۔ ولوا قررت بذبنک ، واستغفرت لجرمک لکان اجمل بک واسدل لستر العفو علیک ،، ۔

غلام اس کے جواب میں کہتا ہے :۔

,,و قد اشتمل الذنب علیّ ، وحاق الخطأ بیّ ، وانّما أنا بشر ، وما یقوم لی عذر ،، ۔

امیر جواب میں کہتا ہے :

,,مهلاً علیک ، ریداً بک ، تقدمت لک خدمة وتاخرت لک توبة ۔ وما للذنب بینهما مدخل ، وقد وسعک الغفران،، (۱۳) ۔

اسی طرح منذر الفقیه اور الناصر کے درمیان یه دلچسپ مکالمه هوا ۔ الناصر نے سونے کا ایک قبّه بنوایا ، جس کے بارے میں اس کے مصاحبین تعریفوں کے پل باندھ رهے تھے که منذر الفقیه بھی وهیں آ گئے تو الناصر نے پوچھا آپ کی اس بارے میں کیا رائے ہے ۔ منذر جواب دیتے هیں :۔

,,یا امیر المومنین ما ظننت أنّ الشیطان ۔ لعنه الله یبلغک هذا المبلغ ولا أن تمکنه من نفسک هذا التمکین مع ما اتاک الله من فضله ونعمته وفضّلک به علی العالمین حتی ینزلک منازل الکافرین،، ۔

الناصر اس بات پر مشتعل هو گیا اور کها ,,انظر ماذا تقول ، وکیف انزلتنی منزلتهم،،

منذر نے کها :

,,نعم أألیس تعالی یقول : ,,ولولا أن یکون الناس امة واحدة فجعلنا لمن یکفر بالرحمن لبیوتهم سقفاً من فضة ومعارج علیها یظهرون،، ۔

الناصر کا چہرہ پریشان ہو گیا اور سر جھکا کے کہا :

,,جازاک الله یا قاضی عنا وعن نفسک خیراً وعن الدین والمسلمین اجل الجزاء ـ فالذی قلت هوالحق ،،(۱۴) ـ

النثر التألیفی :

اس نثر کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے ایک حصہ وہ جس میں تاریخ ادب پر کتابیں لکھی گئی جن میں شعراء اور ادیبوں کے حالات زندگی ، ان کی ادبی کاوشوں کی تاریخ اور فن پاروں میں سے اقتباسات شامل تھے ـ ان مؤلفات میں اکثر امتداد زمانہ اور جنگ وجدال کی نذر ہو گئیں ـ اس موضوع پر جو کام ہوا ان میں عثمان بن ابی ربیعہ کی کتاب ,,طبقات الشعراء بالاندلس،، ، محمد بن هشام المروانی کی کتاب ,,اخبار الشعراء بالاندلس،، عبدالله بن مغیث کی تالیف ,,شعر الخلفاء من بنی امیة اور ابو عمر احمد بن فرج الجیانی کی کتاب ,,الحدائق جو اس نے الحکم المستنصر کے لئے لکھی تھی شامل هیں ـ تاریخ ادب سے متعلق یہ کتابیں بھی مشرق سے متاثر ہو کر لکھی گئیں (۱۵) ـ

النثر التالفی کے دوسرے حصے میں عربی ادب ـ جس میں نثر و نظم ـ نقد ونظر اور تاریخ ادب کے ساتھ ـ ساتھ ـ عربی ثقافت کا ذکر بھی ملتا ہے ـ

مشرق میں اس سلسلے کی نمائندہ کتابیں جاحظ کی ,,البیان والتبیین،، المبرد کی ,,کتاب الکامل ،، ابو الفرج الاصفهانی کی ,,الآغانی،، هیں ـ اندلس میں احمد بن عبد ربه کی ,,العقد الفرید،، اس کی نمائندگی کرتی ہے ـ یہ کتاب عربی ثقافت کی بہترین عکاس ہے جس میں تاریخ ، سیرت ادباء شعری و نثری منتخبات ، بلاغت و

فصاحت کی بحثیں ، عروض و موسیقی کے قوانین اور اخلاق و عادات سے متعلق خوبصورت باتیں ہیں ۔ ابن عبد ربہ نے اپنی اس شہرہ آفاق کتاب کو پچیس ابواب میں تقسیم کیا ہے اور ہر باب کو مالا کے کسی خوبصورت موتی سے موسوم کیا ہے ۔ مثلاً ۔ کتاب اللؤلؤة فی السلطان ۔ الزبرجدة فی الاجواد والاصفاد ۔ پھر ,,الجمانة فی الوفود ،، ,,المرجانة فی مخاطبة الملوک،، ,,الیاقوتة فی العلم والادب ،، اسی طرح باقی ابواب کسی نہ کسی موتی سے موسوم ہیں ۔

کتاب کی ترتیب اور موضوعات کے تنوع سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس میں معلومات کا کتنا بڑا خزانہ موجود ہے ۔ اس کی بہت سی معلومات مشرق اور مشرقی ادب سے متعلق ہیں اس لئے صاحب بن عباد کو جب یہ کتاب دی گئی تو اس نے کہا ,,هذه بضاعتنا ردّت الینا،، یہ ہماری ہی متاع ہے اور ہماری طرف لوٹا دی گئی ہے ۔ اس کتاب نے اندلس کے رہنے والوں کو اہل مشرق سے متعلق بیش قیمت معلومات فراہم کیں ۔ اس کا اسلوب تکلف سے پاک بلکہ وضاحت اور سلاست سے زیادہ قریب ہے کہیں کہیں سجع ما استعمال بھی کیا گیا ہے ۔ مثلاً اس کا یہ اقتباس دیکھیئے :

,,فلینظر الناظر الی الاوضاع المحکمة ، والکتب المترجمة بعین الانصاف، ثم یجعل عقله حکما عادلاً ، وفیصلاً قاطعاً فعند ذلک یعلم انها شجرة باسقة الفرع طیبة المنبت ، ذکیة التربة ، یا نعة الثمرة فمن أخذ بنصیبه منها کان علی ارث من البنوة ،، ۔

اس کتاب کی تالیف میں ابن عبد ربہ نے جن معروف مصادر سے استفادہ کیا ان میں ابن قتیبہ کی عیون الاخبار ۔ جاحظ کی البیان والتبیین والبخلاء ، ابن ہشام کی السیرة النبویة اور ابن المقفع کی کلیلة و دمنة شامل ہیں ۔

۳۴۵ ھـ ابوعلی القالی اندلس میں آیا اور لغوی ولسانی تحقیق کے مرکز کی بنیاد رکھی ۔ ابوعلی نے اپنی کتاب ,,الأمالی،، اپنے شاگردوں کو املا کروائی ۔ اس کے علاوہ ابوبکر الزبیدی نے ,,مختصر کتاب العین،، تالیف کی پھر دوسری تصنیفات بھی میدان میں آئیں جن میں طبقات النحویین ۔ کتاب لحن العامة ۔ الواضح فی العربیة اور الابنیة النحویة قابل ذکر ھیں ۔

اسی دور میں ابن قوطیه جیسا ماھر لسانیات اور مؤرخ پیدا ھوا اس نے متعدد کتابیں تصنیف کیں جن میں ,,تصاریف الافعال،، ,,کتاب المقصود والممدود،، مشہور ھیں ۔ اس کے علاوہ تاریخ ، فلسفہ ، تفسیر طب اور دوسرے میدانوں میں قلمکار اور محققین ظاھر ھوئے ۔

اندلسی ادب کا آخری دور فتنے اور طوائف الملوکی کا دور ہے مسیحیوں ، بربروں اور عربوں کی چھوٹی چھوٹی ریاستیں وجود میں آ گئیں ۔ اکھاڑ پچھاڑ کے اس دور میں دو ایسے عالم ظاھر ھوئے جو آسمان علم و ادب پر چاند و سورج کی طرح چمکے ۔ وہ ابن حزم اور ابن حیان تھے یہ دونوں نابغہ روزگار تھے انھوں نے اپنی خداداد صلاحیتوں سے عربی ادب کو نئی جہتیں عطا کیں ۔

اس دور میں النثر الخالص اور النثر التالیفی دونوں ھی نے بڑی واضح پیش رفت کرتے ھوئے نئے موضوعات اور نئے اسالیب کی بنیاد رکھی ۔ النثر الخالص اب صرف خطبات ، رسائل اور وصایا و مکالمات تک محدود نہ رھی بلکه اسنے کہانی کا روپ دھار لیا ، وہ کہانی جس کا ھیرو ایک خیالی دنیا سے تعلق رکھتا ہے اور مختلف قسم کے روپ دھارتا ہے جو کہ درحقیقت ھماری دنیا میں پائے جانے والے احوال و واقعات کی نشاندھی کرتے ھیں ، اس میدان میں جو قابل فخر چیز ادب اندلس نے پیش کی وہ ابو عامر ابن شھید کی وہ

کہانی ہے جسے اس نے ,,رسالة التوابع والذوابع،، کا نام دیا ۔

یہ رسالة کسی ایک جگہ مکمل حالت میں نہیں ملتا بلکہ اس کا بیشتر حصہ ذخیرہ ابن بسام کی پہلی جلد کی القسم الأول میں صفحہ نمبر ۲۱۰ کے بعد ملتا ہے ، اور اسی حصے کو بطرس البستانی نے ایک مستقل کتاب کی شکل میں شائع کیا ہے جس میں ابن شہید کے بارے میں بھی تفصیلات موجود ھیں ۔ یہ ایک خیالی قصہ ہے جس میں ابن شہید جنات کی دنیا میں پہنچتا ہے اور وھاں شعراء و ادباء شیاطین سے مباحثے ھوتے ھیں ۔ نقد وشعرکی محفلیں جمتیں ھیں ، ان محفلوں میں وہ ادب و شعر کے بارے میں اپنی آراء پیش کرتا ہے ، اپنے مخالفین کے اعتراضات کا جواب دیتا ہے اور اس طرح اپنے فن کا دفاع کرتے ھوئے یہ ثابت کرتا ہے کہ وھی میدان ادب کا شاہ سوار ہے اس نے اس کہانی کا نام التوابع والذوابع اس لئے رکھا کہ توابع ۔ تابع کی جمع ہے جس کا مطلب ہے جن یا پری جو انسان کا ھر وقت اور ھر جگہ پیچھا کرتی ہے ۔ اور زوابع ۔ زوبعة کی جمع ہے جس کا مفہوم جنوں کا سردار ہے یہ کہانی خطوط کے ایک سلسلے کی شکل کی ہے جو ایک ایسے فرضی شخص کے نام لکھے گئے ۔ جس کی کنیت ابوبکر ہے ۔ پہلے خط میں وہ اپنا تعارف کرواتا ہے کہ اس نے کہاں آنکھ کھولی ، کہاں پرورش پائی اور تعلیم حاصل کی اور کس طرح وہ اپنے محبوب کی وفات پر شعر کہنا چاھتا تھا لیکن چند اشعار کے بعد وہ اپنے جذبات کے اظہار سے عاجز آ گیا اسی دوران میں اس کی ملاقات ایک پری سے ھو گئی جس نے اسے شعر کہنے میں اس کی مدد کی اور پھر غائب ھو گئی ۔ اس کے بعد جب بھی کبھی اسے اس پری کی ضرورت پڑتی وہ انھیں اشعار کو پڑھتا اور وہ ظاھر ھو جاتی ۔

اور پھر ایک بار ابن شہید اس سے پوچھتا ہے کہ کیا وہ اس کی ملاقات عالم ارواح میں قدیم شعراء و ادباء سے کروا سکتی ہے ، وہ

اس پر تیار ہو جاتی ہے اور ابن شہید کو اپنے گھوڑے پر سوار کروا کے جنات کی دنیا میں لے جاتی ہے جہاں قدیم شعراء کی روحیں موجود ہوتی ہیں ان میں امروالقیس ، طرفة ، قیس بن الخطیم ، ابوتمام ، بحتری ، ابونواس اور ابوالطیب وغیرہ سے ملاقات ہوتی ہے ان کے علاوہ جاحظ اور عبدالحمید الکاتب سے مذاکرات ہوتے ہیں جن کے سامنے وہ اپنے فن پارے پیش کرتا ہے اور داد تحسین وصول کرتا ہے۔ اس کے بعد وہ عالم حیوانات اور پھر عالم طیور کی سیر کرتا ہے اور ان کی زبان میں عشق و محبت کی داستانیں سنتا ہے اور بعض لغوی بحثیں بھی ہوتی ہیں ۔

رسالة الغفران اور ابوالعلاء کے رسالة التوابع والذوابع میں مشابہت :

دونوں فن پارے اپنے اسلوب ، کردار اور انداز کے اعتبار سے باہم بہت مشابہ ہیں ۔ دونوں ہی ایک دوسرے عالم کو اپنے قصے کا میدان بناتے ہیں ۔ جو انسانی دنیا سے مختلف ہے ، دونوں مؤلفین نے قدماء سے ملاقات کی صورت میں علمی و ادبی بحثیں کیں ہیں ، اور دونوں ہی نے اپنے ہم عصروں کی تنقید کا جواب بھی دیا ہے اور ان پر تنقید بھی کی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ ابوالعلاء نے آخرت کے بعد جنت و دوزخ کو اپنا میدان بنایا ہے اور ابن شہید نے عالم جنات کو اپنے لیئے منتخب کیا ہے۔ ایک اور فرق یہ ہے کہ ابوالعلاء نے فلسفیانہ مشائل اور اور دینی موضوعات پر بحث کی ہے جبکہ ابن شہید نے زیادہ تر ادبی امور کو موضوع بحث بنایا ہے۔ اس مشابہت سے یہ سوال بھی پیدا ہوا کہ ان دونوں قلمکاروں میں سے کون کس سے متاثر ہوا ۔ ڈاکٹر احمد ضیف کے خیال میں ابن شہید ۔ ابوالعلاء سے متأثر ہوا ہے ان کا کہنا ہے ۔

,,چونکہ دونوں ہم عصر تھے اور دونوں میں ابوالعلاء ایسا شخص ہے جس کی شہرت مشرق و مغرب میں پھیلی ہوئی تھی ۔ ابن شہید کی شہرت مشرق میں اتنی نہ تھی اس لئے ابن شہید ابوالعلاء سے متأثر ہوا "(۱۶) ۔ لیکن علمی تحقیق نے یہ بات ثابت کر دی ہے کہ دراصل ابوالعلاء ابن شہید سے متأثر ہوا یا کم از کم ابن شہید ابوالعلاء سے متأثر نہیں ہوا کیونکہ ,,رسالة التوابع والذوابع " ۔ ,,رسالة الغفران" سے تقریباً نو سال قبل تالیف ہوا اور ابن شہید کا یہ فن پارہ مشرق میں اس وقت پہنچ چکا تھا جب ابوالعلاء ابھی زندہ تھا ۔ اصحاب تنقید کا خیال ہے کہ ابن شہید نے یہ رسالة واقعہ معراج سے متأثر ہو کر لکھا اور وہیں سے یہ خیال اختیار کیا ہے ۔ اور ابوالعلاء نے بھی یہیں سے یہ خیال اخذ کیا ہے ۔

التوابع والذوابع کا اسلوب :

یہ النثر الخالص کا نمونہ ہے جس میں جاحظ کا طریقہ تحریر بھی ہے اور ابن العمید کا اسلوب بیان بھی ۔ کہیں کہیں بدیع الزمان کا اسلوب نگارش بھی نظر آتا ہے ۔ یہ سب اسالیب النثر الخالص کی ہی عکاسی کرتے ہیں جن میں ایجاز نہیں تفصیل واطناب ہے ، تکلف نہیں ہے لیکن سجع ہے ۔ شاعری نہیں ہے لیکن شعروں کا استعمال ہے ۔

ابن شہید کی ادبی تنقید :

اسی دور میں ابن شہید کی ادبی تنقید کے بعض نمونے بھی ملتے ہیں جو اگرچہ الگ کتابی شکل میں تو موجود نہیں لیکن مختصر مقالات کی صورت میں ادب اور اس جذبہ و مشاہدہ پر جو تخلیق ادب کا باعث بنتا ہے بحث ملتی ہے ۔ ابن شہید اس جذبے کو ,,طبیعہ" (فطرت) کا نام دیتا ہے ۔ یہ وہ احساس اور شعور ہے جو خوبصورت

کلمات یا جملوں کو یاد کر لینے یا جملوں کے درمیان لغوی ربط و ضبط پیدا کر دینے سے نہیں آتا بلکہ اس کا تعلق انسان کے باطن سے ہے جسے روح یا شعور کہا جا سکتا ہے۔ انسان ۔ جسم اور نفس سے مرکب ہے۔ نفس (روح ۔ شعور) اگر جسم پر غالب آ جائے تو طبیعت میں لطافت پیدا ہوتی ہے جو تخلیق ادب کا سبب بنتی ہے اور مشاهده اسے تقویت پہنچاتا ہے۔

اس نے مختلف زمانوں میں اندلسی ادیبوں کے رجحانات اور ان کے اسلوب کا ذکر بھی کیا ہے ، اور لغوی میدان میں لفظ اور معنی کے باهمی تعلق نیز مختلف مواقع پر کلمات اور جملوں کے انتخاب کے بارے میں بھی بحث کی ۔ ان خوبصورت بحثوں میں وہ بحث بھی ہے جو اس نے ,,انسانی اعضاء پر ادب کا اثر ،، کے بارے میں کی ہے اس کے علاوہ اس میں ادیب کی شخصیت اسکا رهن سهن ، لباس اور کھانے پینے میں اس کے انتخاب کو بھی موضوع بنایا گیا ہے۔ اس کا کہنا ہے کہ ادیب اور شاعر کو پراگندہ حالت میں نہیں رهنا چاهیئے ، ذهن کی پاکیزگی اور احساس کی لطافت کا تعلق جسم کے ساتھ بھی ہے۔ وہ کہتا ہے۔

ادیب و کاتب کو اچھی خوشبو استعمال کرنی چاهیئے ، اس کے تمام حواس درست هوں ، نہ دانت میلے هوں اور نہ ناخن بڑھے هوئے هوں۔

ابن شہید کا یہ اسلوب نثر النثر التألیفی کے زمرے میں آتا ہے جس میں مختلف موضوعات پر سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔

ابن حزم بحیثیت ادیب :

النثر التالیفی کا هی ایک نمونہ اندلس کے عظیم عالم فلسفی اور ادیب کا وہ فن پارہ ہے جو فلسفہ محبت میں دوسرے ادیبوں کے لئے

باعث تقلید بنا ۔ بہت سے عرب اور غیر عرب ادباء نے اپنے ادب کے لئے اسے مرجع بنایا ۔ یہ عظیم عالم و ادیب ابن حزم ہے ۔ جس نے فلسفہ محبت پر ,,طوق الحمامة فی الالفة والألاف،، کے نام سے ایک کتاب تالیف کی ۔

طوق الحمامة :

یہ وہ کتاب ہے جس پر اندلسی ادب کو فخر ہے ابن حزم نے اس کتاب میں اپنے مشاهدات اور افکار کا جس دلیری اور جرأت سے اظہار کیا ہے وہ قابل داد ہے ۔ اس اظہار میں اس نے اس بات کی پروا نہیں کی اس پر کن کن کی طرف سے کیا کیا تنقید ہو گی ۔

یہ کتاب صحرانورد کے خطوط کی طرح کا ایک مجموعہ ہے جو اس نے ,,المریة،، شہر سے لکھے گئے ان خطوط کے جواب میں لکھے ۔ جن میں اسے فلسفہ محبت پر کچھ لکھنے کو کہا گیا ۔

ابن حزم نے اپنی کتاب کو تیس ابواب میں یا خطوط میں تقسیم کیا اور ہر باب میں محبت کی کسی کیفیت کے بارے میں لکھا ، اور ہر خط میں فلسفہ محبت کیلئے اپنے مشاهدات اور مختلف واقعات سے مدد لی ، کسی میں محبت کی علامتوں کے بارے میں لکھا تو کسی میں محبت کی اقسام کے بارے میں ۔ کون سی محبت سچی ہوتی ہے اور کس میں دھوکہ ہوتا ہے ۔ پہلی نظر کی محبت کیسی ہوتی ہے اور محبت میں انسانی تعلق کیا کیا تقاضے کرتا ہے ۔ خفیہ محبت کیا ہوتی ہے اور محبت کے اعلان سے کیا ہوتا ہے ، محبت میں دشمنی کیسی ہوتی اور وفا و جفا کا تصور کیا ہے ۔ فراق میں کیا لذتیں ہیں اور وصال کی کیا لطافتیں ہیں ، محبت میں گناہ کیا ہے اور محبت میں اخلاص اور پاکیزگی کیسے ہوتی ہے (۱۹) ۔ ان سارے مسائل پر خوب لکھا ہے ۔

اگرچہ طوق الحمامۃ مسائل محبت بیان کرتی ہے لیکن اس کے ساتھ۔ ساتھ۔ اس میں اس دور کے حالات کا تجزیہ بھی ملتا ہے جس میں محلات سے باہر شروفساد اور فتنہ گری تھی لیکن محلات کے اندر حسن و عشق اپنی فتنہ سامانیوں کے ساتھ۔ سرگرم عمل تھا۔ اس کے علاوہ اس میں انسانی طبیعتوں کے بارے میں بھی معلومات ملتی ھیں۔ سب سے بڑی بات یہ ہے کہ یہ کتاب ابن حزم کی اپنی زندگی کی بھی عکاسی کرتی ہے۔ مزید یہ کہ وہ ابن حزم کا محض نثری فن پارہ نہیں ہے بلکہ اس کے اشعار کا بھی مجموعہ ہے۔ جو اس نے حکایات اور فلسفہ محبت بیان کرتے وقت جگہ جگہ استعمال کیے ھیں۔

طوق الحمامۃ کی زبان آسان ہے اور اسلوب واضح۔ جس میں تکلف کے بجائے بے ساختگی پائی جاتی ہے۔ چونکہ ابن حزم ایک عالم دین بھی تھا اس لئے کئی مقامات پر قرآن و حدیث و فقہی مباحث سے بھی دلیل کے طور پر استفادہ کیا ہے۔

بعض مستشرقین (جن میں استاد ماسینیون اور دوزی شامل ھیں) کا کہنا ہے کہ پاکیزہ محبت کا تصور ابن حزم نے مسیحیوں سے لیا ہے کیونکہ ان کے ھاں تجرد والی زندگی اور عفت والی محبت کا تصور واضح طور پر پایا جاتا ہے۔ جبکہ یہ بات درست نہیں ہے۔ اس محبت کا تصور دور جاھلیت میں المرقش الاکبر نے پیش کیا ، اسی طرح ,,الھوی العذری،، کا تصور صدر اسلام کے دور سے چلا آ رہا ہے۔

بعض مسلمان صوفیہ کے ھاں بھی اس قسم کی محبت کی مثالیں ملتی ھیں جن میں عبدالرحمن بن عمار بھی تھے۔ جو کثرت عبادت کی وجہ سے زاھد کے نام سے پکارے جاتے تھے انھیں ایک مغنیہ ,,سلامہ،، سے محبت تھی لیکن وہ محض تصوراتی اور خیالی محبت رھی ایک بار اس نے دعوت اظہار محبت بھی دی لیکن عبدالرحمن

بن عمار نے جواب دیا ((الاخلاء یومئذ بعضهم لبعض عدو، الا المتقین)) وأنا اکره أن تنقلب خلتنا عداوة یوم الحساب .

دوست قیامت کے روز ایک دوسرے کے دشمن ہونگے سوائے متقی افراد کے اور میں نہیں چاہتا کہ ہماری دوستی قیامت کے روز دشمنی میں بدل جائے ، اور یہی فرق ہے ایک عام آدمی کی محبت میں اور ایک فقیہ کی محبت میں کہ عام آدمی اپنی محبت کو جذباتی ہو کر معصیت میں بدل دیتا ہے جبکہ فقیہ اپنی نیکی اور معاشرے میں اپنی عزت کا خیال رکھتے ہوئے گناہ سے بچ جاتا ہے۔

کیا طوق لحمامة فلسفه محبت پر پہلی کتاب ہے ؟

۱۹۱۴ء میں جب ,,طوق الحمامة،، لیڈن میں شائع ہوئی تو پورے یورپ میں ایک غلغلہ سا مچ گیا یورپی ادیبوں اور ناقدین نے کہا کہ فلسفہ محبت پر یہ پہلی کتاب ہے اس سے قبل نہ عربی میں اور نہ کسی اور زبان میں اس موضوع پر کوئی کتاب لکھی گئی (۱۹) ، جبکہ بات ایسی نہیں ہے ، ابن حزم سے پہلے اندلس ھی میں محمد بن داؤد الظاھری نے ,,الزھرة،، کے نام ایک کتاب تالیف ک جو آج کل ناپید ہے البتہ اس کے بعض اقتباسات مختلف ادبی کتابوں میں ملتے ھیں ۔ اور یہ بات بھی ثابت ہے کہ ابن حزم نے ,,الزھرة،، کا مطالعہ کیا ۔ اس کے علاوہ ,,اخوان الصفا،، کے رسائل عشق ، ابوبکر السراج کی ,,مصارع العشاق ،، اور الخرائطی کی ,,اعتلال القلوب ،، یہ سب کتابیں ,,طوق الحمامة،، سے قبل تالیف کی گئیں لیکن جو شہرت اور اصحاب عشق و محبت میں پذیرائی اس کتاب کو حاصل ہوئی وہ کسی اور کو حاصل نہ ہو سکی ۔ اس شہرت کی ایک وجہ شاید یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ابن حزم ایک بہت بڑا عالم فلسفی اور تاریخ دان تھا جس نے تقریباً چار سو تالیفات چھوڑیں ۔ اتنے بڑے شخص کی طرف سے

محبت کے موضوع پر کوئی کتاب لکھا جانا ایک ایسی بات تھی جس نے لوگوں کو اس کا مشتاق بنا دیا ، جب اسے پڑھا گیا تو لوگوں کا اشتیاق اور بڑھ گیا کیونکہ محبت ایک فطری جذبہ ہے جو ہر انسان میں پایا جاتا ہے اور جب کسی کو اس کے اپنے خیالات کا ترجمان مل جائے تو وہ اس کی طرف راغب ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا ۔

ابن طفیل بحثیت قصہ نگار :

گیارھویں صدی عیسوی کی ابتدا میں غرناطہ کے قریب وادی آش میں ایک ادیب اور فلسفی پیدا ہوا جس کا نام ابوبکر تھا لیکن وہ ابن طفیل کے نام سے معروف ہوا اس نے فلسفہ ، طب ، عمرانیات اور روحانیات جیسے دقیق موضوعات کو ایک قصہ کی شکل میں اس طرح بیان کیا کہ وہ فن قصہ نگاری کی ایک بہترین مثال بن گیا ، جس کا ترجمہ لاطینی میں Edward Pococke نے شائع کیا ، پھر ناربون کے ایک یہودی (موسیٰ) نے عبرانی میں ترجمہ کیا ، پھر فرانسیسی اور اس کے علاوہ دوسری زبانوں میں اس کا ترجمہ ہوا ۔ ابن طفیل پہلا فلسفی ہے جس نے افسانے سے پورا پورا فائدہ اٹھایا (۲۰) اور ایسے مشکل موضوعات میں وہ دلچسپی پیدا کر دی کہ عوام میں بھی مقبول ہو گیا ۔ قصہ کا مرکزی خیال قرآن مجید میں مذکور حضرت موسی علیہ السلام کے واقعہ سے لیا گیا جس میں حضرت موسی علیہ السلام کو آپ کی والدہ نے صندوق میں ڈال کر دریا کے سپرد کر دیا تھا ۔ ابن طفیل کے قصے کی ابتدا بھی اسی طرح ہوتی ہے کہ کوئی شہزادی ایک بچے کو سمندر میں ڈال دیتی ہے جو کسی طرح ایک سنسان جزیرے پر پہنچ جاتا ہے وہاں ایک ہرنی اس بچے کو اپنا دودھ پلاتی ہے اس طرح بچہ بڑا ہوتا ہے لیکن چونکہ وہ انسان ہوتا ہے اس لئے سوچنا شروع کر دیتا ہے کہ وہ دوسرے جانوروں کے مقابلے

میں برھنہ کیوں ہے اور اس کے پاس مصائب کا مقابلہ کرنے اور شکار کرنے کیلئے پنجے یا تیز دانت یا دوسری قوتیں کیوں نہیں ھیں اس فکر کے نتیجے میں وہ پتوں سے اور پھر کھال سے اپنا لباس تیار کرتا ہے ، لکڑی اور پتھر سے ھتھیار بناتا ہے ۔۔

ھرنی جب بوڑھی ھو کر بیمار ھوتی ہے تو وہ ھرنی کا سینہ چیرتا ہے تاکہ اس کے اندر سے بیماری نکال سکے اس طرح وہ اندرونی اجزائے جسمانی سے واقفیت حاصل کرتا ہے ۔ اس طرح ,,حیّ بن یقظان،، انسانی ترقی کے وہ تمام مراحل طے کرتا ہے جس میں وہ آگ کی دریافت بھی کرتا ہے ، گھر بھی بناتا ہے اور بالآخر اس کی سوچ فلسفے کی شکل اختیار کر جاتی ہے وہ اعضائے جسمانی کی ترتیب کے بارے میں غور کرتا ہے اور اسے خفیف و ثقیل اجزاء میں تقسیم کرتا ہے۔ پھر نفس نباتی اور نفس حیوانی کی صورتیں ذھن میں آتی ھیں ، پھر روح تک خیال کی رسائی ھوتی ہے۔ پھر وہ زمین اور آس پاس کی چیزوں کا مطالعہ کرتا ہے اور اس نتیجے پر پہنچتا ہے یہ سب کسی مادے کے اجزاء ھیں ، اور مختلف اجسام میں مختلف مقداریں ھیں ، پھر وہ اس نتیجے پہ پہنچتا ہے کہ زمین کی سبھی چیزیں فانی ھیں ۔ تو پھر وہ آسمان کی طرف توجہ کرتا ہے چاند ستاروں اور سورج کی گردش نظام الافلاک پر غور کرتا ہے اور پھر خالق افلاک تک رسائی کی کوشش کرتا ہے اور اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ خالق کے لئے ضروری ہے کہ وہ جسم نہ ھو اور ابدی ھو اور اگر وہ ابدی ہے تو عالم کی قوت محرکہ اس کے اندر نہیں آ سکتی ۔ پھر اپنی ذات کے اندر خالق کی صفات کا پرتو دیکھتا ہے اور کہتا ہے کہ اس کا نفس غیرفانی ہے ، اور اسے ابدی خوشی کیلئے ایک ھستی کے بارے میں غور و فکر کرنا چاھیئے جو مکمل واکمل ھو ۔ کچھ عرصے بعد ایک

دوسرے جزیرے سے ایک مذہبی پیشوا ,, حی بن یقظان،، سے ملتا ہے وہ اسے جب کتب سماویہ کی دعوت دیتا ہے تو ,,حی بن یقظان،، کو احساس ہوتا ہے کہ وہ بھی اسی نتیجے تک پہنچا تھا جس کی طرف کتب سماویہ بلاتی ہیں ، پھر وہ مذہبی پیشوا جسے ,,آسال،، کا نام دیا جاتا ہے اسے قریبی جزیرے میں بسنے والے افراد اور بادشاہ کو دعوت دینے کو کہتا ہے۔ جب وہ دونوں جاتے ہیں تو ان کے فلسفے کو کوئی سمجھتا نہیں اور جو سمجھتا ہے وہ قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ اس طرح مایوس ہو کر وہ دوبارہ اسی بے آباد جزیرے میں آ جاتے ہیں۔

قصہ حیّ بن یقظان کی فنی حیثیت :

یہ وہ زمانہ ہے جب ابھی کہانی اپنی ابتدائی حالت میں تھی اور ابن طفیل ان چند افراد میں سے تھے جنھوں نے کہانی کو اپنے نظریات اور افکار عام کرنے کا ذریعہ بنایا ، اس لئے اس قصے کا شمار ان قصوں میں نہیں ہوتا جو محض تفریح طبع کیلئے لکھے گئے ہوں۔ اس کے ادبی اسلوب کے بارے میں مختلف اقوال ہیں۔ استاد غرسیہ غومس کہتا ہے کہ ابن طفیل کا قصہ کمان کے دو سروں سے مشابہ ہے جو آپس میں ملے ہوئے ہوئے ہیں لیکن درمیان میں بہت فاصلہ ہے (۲۱)۔ بالکل اسی طرح قصہ حیّ بن یقظان کا آغاز بھی ایک قصے کی طرح ہے اور اختتام بھی قصہ کی طرح لیکن بیچ کا سارا حصہ فلسفیانہ بحثوں اور علم و حکمت کی جستجو سے بھرا ہوا ہے۔ اس میں قصہ کی اصل روح جو کہانی کی صورت میں ہوتی ہے دکھائی نہیں دیتی۔ درمیانی حصے میں ابن طفیل قصہ نگار نہیں رہتا بلکہ محض فلسفی اور حکیم و دانا بن کر رہ جاتا ہے ، لیکن لیون گوئٹے جس نے اس کا فرانسیسی میں ترجمہ کیا اس کا کہنا ہے کہ ابن

طفیل کی کہانی میں ایک تسلسل پایا جاتا ہے اور کہیں بھی ایسا نہیں ہے کہ کہانی اور فلسفہ کا تعلق ابتدا سے انتہاء تک یکساں نہ رہا ہو بس اتنا کہا جا سکتا ہے کہ فلسفیانہ اور علمی افکار کی کثرت نے کہانی کو کمزور کر دیا ہے۔

ادبی اعتبار سے یہ ایک بے مثال قصہ ہے جس میں خوبصورت کلمات ، منظر نگاری کا کمال پایا جاتا ہے۔ وہ فلسفیانہ افکار بھی ایسے اسلوب سے پیش کرتا ہے کہ جس میں مختلف کرداروں کے ساتھ جذباتی لگاؤ پیدا ہو جاتا ہے ، اسی لگاؤ کی وجہ سے وہ اپنے آپ سے بعض سوال کرتا ہے اور پھر انہیں سوالوں کا جواب منطقی انداز میں دیتا ہے کہ غیر واضح خیال واضح ہو جاتا ہے۔۔

اندلس میں مسلمانوں نے سات صدیوں سے زیادہ حکومت کی اس طویل عرصے میں جہاں بلند و بالا وپرشکوہ عمارتیں تعمیر ہوئیں ، تعلیم وتربیت کی بے مثال درسگاھیں وجود میں آئیں ۔ نابغہ روزگار علماء فقیہ، تاریخ دان، فلسفی ، سائنس دان اور شاعر پیدا ہوئے ۔ وھیں لازوال قسم کی نثری تالیفات بھی وجود میں آئیں لیکن گردش ایام نے ان میں بہت سی کتابوں کو اپنی لپیٹ میں لے لیا ۔ ان میں سے بعض کا ذکر ملتا ہے اور بعض ذکر سے بھی محروم ہو گئیں ، لیکن اب بھی قرطبہ، اشبیلیہ ، غرناطہ اور طلیطلہ کے کتب خانوں میں ایسی کتابیں موجود ھیں جو کسی قاری کا انتظار کر رھی ھیں ۔

مصـادر و مراجع

۱ ۔ ڈاکٹر احمد ھیکل ۔ الادب الاندلسی من الفتوح الی سقوط الخلافة ، القاھرة ، ۱۹۸٦ ، ٦٥

۲ ۔ ابن عزاری ۔ البیان المغرب ، بیروت ، ۱۹۵۰ ، ٦٤/۲ ۔

۳ ۔ احمد امین ۔ ظھر الاسلام ، بیروت ، ۱۹۵۳ ، ۲۰۳/۳ ۔

٤ ـ احمد المقرى ـ نفح الطيب من غصن الاندلس الرطيب ، مصر ، ١٣٠٢ ، ١/٣٣٦ ـ
٥ ـ ابن قوطية ـ تاريخ افتتاح الاندلس ، ربيرا (مدريد) ، ١٩٢٦ ، ـ/٢٨
٦ ـ ابن حيان ـ المقتبس ٣٣ بحواله الادب الاندلسى ـ د . احمد هيكل ، ـ/١٢٣ ـ
٧ ـ ابن عزارى ـ البيان المغرب ، بيروت ، ١٩٥٠ ، ٢/١٦٠ ـ ١٦١
٨ ـ احمد المقرى ـ نفح الطيب ، القاهرة ، ١٣٠٢ هـ ، ١/١٨٠ ـ
٩ ـ ابى الحسن على بن بسام ـ الذخيره فى محاسن اهل الجزيرة ، القاهرة ، ١٩٣٥ ، ـ/٣٦ ـ ٣٧
١٠ ـ احمد المقرى ـ نفح الطيب ، القاهرة ، ١٣٠٣ هـ ، ١/١١٢
١١ ـ احمد المقرى ـ نفح الطيب ، القاهرة ، ١٣٠٣ هـ ، ٢/٧٥
١٢ ـ ابن عزارى ـ البيان المغرب ، بيروت ، ١٩٥٠ ، ٢/١٣٥
١٣ ـ ابن عزارى ـ البيان المغرب ، بيروت ، ١٩٥٠ ، ٢/٢٣٥
١٤ ـ ڈاكٹر احمد ضيف ـ بلاغة العرب فى الاندلس ، مصر ، ١٨٢٣ ، ـ/٣٨
١٥ ـ ڈاكٹر حسين مؤنس ـ تاريخ الفكر الاندلسى (مترجم) ، مصر ، ١٩٥٥ ، ـ/٢٨٥
١٦ ـ ڈاكٹر احمد ضيف ـ بلاغة العرب فى الاندلس ، مصر ، ١٨٢٣ ، ـ/٣٨
١٧ ـ ابى الحسن على ابن بسام ـ الذخيره فى محاسن اهل الجزيرة ، القاهرة ، ١٩٣٥ ، ـ/١٩٧ ـ ١٩٨
١٨ ـ ابى الحسن على ابن بسام ـ الذخيرة فى محاسن اهل الجزيرة ، القاهرة ، ١٩٣٥ ـ/٢٠٨
١٩ ـ زكى مبارك ـ النثر الفنى فى القرن الرابع ، القاهرة ، ١٣٥٢ هـ ، ٢/١٦٦
٢٠ ـ دائرة المعارف الاسلامية ، تهران ، ١٣٥٢ هـ ، ١/٢١٣
٢١ ـ ڈاكٹر محمد رجب البيومى ـ الادب الاندلسى بين التأثر والتاثير ، القاهره ، ـ/١٣٣

★★★

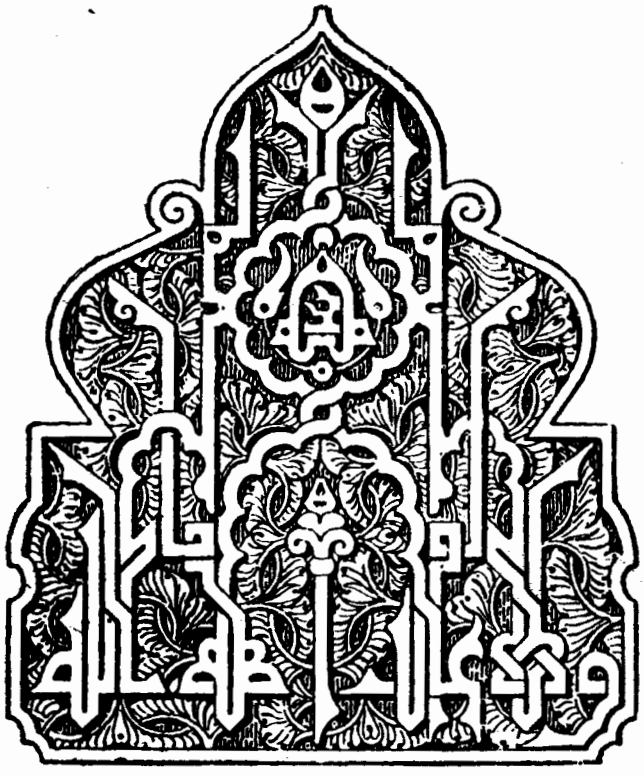

كتابة زخرفية متشابكة بخط كوفي على
هيئة قبــة ، نصها « ولا غالب الا الله »
على ارضيية زينت بالوريقات .

سقوط اندلس پر شعرائے اندلس کی مرثیہ خوانی

ڈاکٹر ظہور احمد اظہر

اسلامی اندلس جو آج کا ہسپانیہ ہے تاریخ اسلام کا ایک ایسا ڈرامائی باب ہے جو بیک وقت شاندار بھی ہے اور المناک بھی ، یہ باب ڈرامائی اس لئے ہے کہ جس طرح طریف بن مجالد ، طارق بن زیاد اور موسی بن نصیر اسلام کی شمشیر خارہ شگاف لئے سمندر عبور کرتے اور پھر شہر اور قلعہ فتح کرتے ہوئے نظر آتے ہیں اسی طرح ابو عبداللہ جیسے نالائق حکمران اپنی کند تلوار کو عیسائی فاتحین کے سپرد کر کے جبل طارق کے دامن سے اپنے شکست خوردہ خانوادے اور ساتھیوں کے ہمراہ سمندر عبور کر کے افریقہ کی طرف آتے ہوئے نظر آتے ہیں ۔ یہ باب ایک شاندار اور درخشندہ باب بھی ہے ، اندلس کے مسلمانوں نے سیاست و حکومت اور عسکری رعب و دبدبہ سے لیکر ، علم و ادب اور فکروفن کے میدانوں تک جو عظیم الشان کارنامے انجام دیئے وہ تاریخ اسلام کے جگمگاتے ہوئے تاج کی حیثیت رکھتے ہیں اور انسانی تمدن کا قابل فخر ورثہ بھی ہیں مگر یہ باب اتنا ہی المناک بھی ہے ۔ ظہور اسلام سے لیکر آج تک کوئی خطہ ایسا نہیں جہاں اسلام نے فاتحانہ جھنڈے گاڑے ہوں اور پھر اسے کوئی طاقت وہاں سے دیس نکالا دے سکی ہو ، مگر صرف

اندلس ایک استثنائی صورت ہے جہاں سے نہ صرف اسلام بلکہ مسلمانوں کو بھی مکمل طور پر بےدخل کر دیا گیا ، اس لئے اسلامی اندلس بجا طور پر تاریخ اسلام کا ایک ایسا ڈرامائی باب ہے جو شاندار بھی ہے اور حسرت و الم سے بھی لبریز ہے ، اس شاندار ڈرامائی باب کے حسرتناک و المناک پہلو نے جہاں ہر مومن آنکھ کو اشکبار کر دیا تھا وہاں اندلسی شعراء کو بھی محو حزن و بکا بنا دیا تھا ۔ اندلس کے شعراء نے اپنی فردوس گم گشتہ کے درد بھرے مرثیے کہے اور اپنے اسلاف کی عظمت رفتہ کو تصور میں لاتے ہوئے اپنے ہم وطنوں کی بدنصیبی پر آنسو بہائے ۔

شاعر اسلام علامہ محمد اقبال کو اہل اسلام کی اس فردوس گم گشتہ سے والہانہ لگاؤ تھا ، وہ اسے مسلمانوں کی ارض موعودہ کا نام بھی دیتے تھے(۱) ۔ اقبال کے نزدیک اسلامی اندلس کا جو مقام اور اہمیت تھی اس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ واحد خطہ زمین ہے جس کی زیارت کے لئے وہ خاص نیت سے سفر پر نکلے تھے اور یہیں انھوں نے ,,مسجد قرطبہ،، کے عنوان سے ایک شعری تخلیق پیش کی جو ان کی شاہکار نظموں میں سے ایک شمار ہوتی ہے (۲) ۔

اعلی تعلیم کی تکمیل کے بعد وطن واپس آتے ہوئے علامہ اقبال کا جب صقلیہ (سسلی) کے پاس سے گذر ہوا تو اسلام کی اس ارض مغصوبہ پر اشکبار ہو گئے اور سر زمین صقلیہ کو ,,تہذیب حجازی کا مزار،، قرار دیتے ہوئے سترہ اشعار پر مشتمل سسلی کا ایک مرثیہ کہہ ڈالا تھا ، اس مرثیہ کے ایک بند میں یوں ارشاد ہوتا ہے (۳) :

ناله کش شیراز کا بلبل ہوا بغداد پر
داغ رویا خون کے آنسو جہاں آباد پر

آسماں نے دولت غرناطه جب برباد کی
ابن بدروں کے دل ناشاد نے فریاد کی
غم نصیب اقبال کو بخشا گیا ماتم ترا
چن لیا تقدیر نے وہ دل که تها محرم ترا ۔

ہلاکو خان کے ہاتھوں جب مدینة السلام بغداد برباد ہوا اور عباسی خلافت کا چراغ گل ہو گیا تو بلبل شیراز شیخ سعدی نے ایک درد انگیز مرثیه کہا تها جس کا مطلع ہے (۴) :

آسماں را حق بود گر خوں بگرید برزمین
برزوال ملک مستعصم امیر المؤمنین!

اور برطانوی سامراج کے منحوس قدم جب جہاں آباد (دلی) کی سر زمین پر پڑے اور جو تباهی و بربادی آئی اس پر آنسو بہاتے ہوئے مرزا داغ دهلوی نے ایک (شہر آشوب) کہا جو خاصه طویل ہے اور اس کا پہلا بند ہے : (۵)

فلک زمین و ملائک جَناب تهی دلی
بہشت و خلد سے بهی انتخاب تهی دلی
جواب کا ہے کو تها لاجواب تهی دلی
مگر خیال سے دیکها تو خواب تهی دلی
تری هیں آنکهیں وهاں جو جگه تهی نرگس کی
خبر نہیں که اسے کها گئی نظر کس کی

مگر اب آپ ,,ابن بدروں کے دل ناشاد کی فریاد ،، کا کهوج لگانے بیٹهیں تو قیامت تک ناکامی اور مایوسی کے سوا کچھ حاصل نه هو گا ، لیکن اس لئے نہیں که ابن بدروں بیچارے کے دل ناشاد کی سقوط غرناطه پر بلند هونے والی فریاد کو زمانه چاٹ گیا بلکه اس لئے که نه کوئی ابن بدروں نامی شاعر تها اور نه سقوط غرناطه پر اس نے

کبھی فریاد کی تھی! بلکہ حق تو یہ ہے کہ نہ صرف اسلامی اندلس کی ادبی تاریخ بلکہ پورے عربی ادب کی تاریخ میں ابن بدروں نام کا کبھی کوئی شاعر ہوا ھی نہیں یہ سوال تو ایک مستقل موضوع ہے کہ حضرت علامہ مرحوم کو یہ تسامح کیونکر ہوا کہ شاعر ابن عبدون کے مرثیہ کے شارح و نقاد شیخ ابن بدروں کو شاعر کس طرح کہدیا اور سقوط بطلیوس پر یا بطلیوس کے حکمران یکے از ملوک الطوائف ابن المظفر کے مرثیہ کو سقوط غرناطہ کا مرثیہ کس طرح سمجھ لیا لیکن یہ بات ہمارے موضوع سے تعلق رکھتی ہے کہ سر زمین اندلس کے شاھکار مرثیوں میں سے ایک مرثیہ ابو محمد عبدالمجید بن عبداللہ ابن عبدون الفہری المتوفی ۵۲۹ ھ کا رائیہ قصیدہ ہے جو اس نے اپنے سر پرست اور مربی متوکل بن مظفر کے المناک انجام پر نظم کیا تھا متوکل بنو افطس کا چشم و چراغ تھا اور ملوک الطوائف میں نمایاں مقام کا مالک تھا ابن عبدون متوکل کا وزیر تھا ، خود بھی شاعر اور ادیب تھا اور اھل ادب و شعر کا قدردان بھی تھا ۔ اس نے مشہور محدث ، عالم ، ادیب اور نقاد ابن قتیبہ اور اندلس کے ادیب اور محقق ابو عبید البکری سمط اللالی کے مصنف کے درمیان ناقدانہ موازنہ کیا اور ایک کتاب تصنیف کی تھی ، کتاب کا نام ہے (نصرۃ ابی عبید علی ابن قتیبۃ) ۔

اسلامی اندلس کو سب سے زیادہ ذلت آمیز نقصان ملوک الطوائف کے عہد میں پہنچا ، اندلس کی اموی سلطنت کے زوال اور منصور بن ابی عامر کی موت کے بعد اندلس سیاسی ابتری اور فساد کی زد میں آ گیا تھا جس کے نتیجے میں ملوک الطوائف کا دور دورہ ہوا ، ہر شہر اور ہر قلعہ بلکہ ہر وادی اور ہر بستی میں ہر ہوس پرست نے اپنا اقتدار قائم کر لیا اور خود مختاری کا اعلان کر دیا ، اس صورت

حال سے قشتالہ اور ارغون کے عیسائی راجوں نے خوب فائدہ اٹھایا ، جب چاہتے جیسے چاہتے ملوک الطوائف میں سے کسی کو بھی اپنا باج گزار بنا لیتے ، اس باجگزاری نے مسلم رعایا کے لئے جینا حرام کر دیا تھا ، ملوک الطوائف اپنی رعایا کی کھالیں اتار کر عیسائی راجہ کی تجوریاں بھرتے تھے ، ایک ملک الطائفہ نے جو سیف الدولہ یعنی ریاست کی تلوار کہلاتا تھا اپنے باج خواہ عیسائی راجہ کو تیس اونٹوں کے برابر سونا چاندی اور غلہ ادا کیا بلکہ خود پہنچا کر آیا ، اس کے بدلے میں عیسائی راجہ نے اسے ایک بندر عطا کیا جسے پوشاک فاخرہ پہنا کر بڑے فخر سے اپنے ساتھ تخت پر بٹھاتا اور باقی ملوک الطوائف سے خود کو نمایاں اور انعام یافتہ تصور کرتا ، اس ذلت آمیز ماحول نے اندلس کی ملت اسلامیہ کو مجبور کر دیا کہ وہ مراکش کے بادشاہ یوسف بن تاشفین سے التجا کریں تاکہ وہ انہیں عیسائی راجہ اور ملوک الطوائف کے دوہرے عذاب سے نجات دلائیں (٦)۔

ملوک الطوائف میں سے جس جس نے یوسف بن تاشفین کو دل سے خوش آمدید کہا ان کی تو جان بخشی ہو گئی ، جو طاقتور اور خطرناک تھے وہ گرفتار ہوئے (مشہور شاعر بادشاہ معتمد ابن عباد بھی انہی میں سے تھا جس کے متعلق علامہ اقبال نے چند شعر بھی کہے ہیں) مگر جن کے متعلق غداری اور دشمن سے ساز باز کی شکایت ملی ان کی گردنیں مار دی گئیں ، متوکل بن مظفر اور اس کے دونوں بیٹے بھی اسی انجام بد سے دوچار ہوئے ، ابن عبدون نے اپنے سرپرست اور آقائے ولی نعمت کی حسر تناک موت پر یہ رائیہ قصیدہ کہا ، یہ مرثیہ تقریباً سڑسٹھ اشعار پر مشتمل ہے (٧)۔ لیکن اس میں شاعر نے زمانے کی چیرہ دستی اور دنیا کی بے وفائی کا شکوہ کرتے

ہوئے پوری اسلامی بلکہ انسانی تاریخ کے عبرتناک واقعات کو تلمیحات و اشارات میں اس خوبصورتی سے شعروں میں سمویا ہے کہ یہ مرثیہ بے حد پرکشش اور انسانی جذبات کا ترجمان بن گیا ہے، مگر اس کی تلمیحات و اشارات اس قدر غامض اور مبہم ہیں کہ عام آدمی کے ادراک سے باہر ہیں، تاہم اس کے دلچسپ اسلوب اور پر مغز معانی نے اسے اندلس کا ایک مقبول عام مرثیہ بنا دیا۔

ایک حلقہ اہل علم و ادب کی درخواست پر اپنے وقت میں اسلامی اندلس کے ایک عالم، ادب اور خطیب ابو القاسم عبدالملک بن عبداللہ ابن بدرون الحضرمی المتوفی ۶۰۸ ھ نے ابن عبدون کے اس خوبصورت مگر غموض و ابہام سے پر مرثیہ کی شرح لکھی، یہ شرح علمی و ادبی معلومات کا قیمتی خزانہ ہے۔ فاضل شارح نے عربی شاعری امثال اور اقوال بلغاء سے حسب موقع استشہاد کیا ہے، یہ ۶۷ اشعار کی شرح چار سو صفحات پر پھیلی ہوئی ہے، اسے ایک فرانسیسی مستشرق نے ایڈٹ کر کے شائع کیا تو دنیا بھر کے علمی و ادبی حلقوں نے اسے بہت سراہا، یوں لگتا ہے کہ علامہ اقبال نے قیام یورپ کے دوران ابن عبدون کی قصیدہ اور ابن بدرون کی اس شرح کا تذکرہ سنا ہو گا اور سقوط بطلیوس کے مرثیہ کو سقوط غرناطہ کا مرثیہ اور ابن عبدون کے بجائے ابن بدرون کو شاعر خیال کر لیا ہو گا، بہرحال یہ ایک تسامح ہے جس کی وجہ کوئی اور بھی ہو سکتی ہے۔

ابن عبدون مطلع قصیدہ میں زمانے کی بے نیازی اور دنیا کی بے وفائی کا شکوہ کرتا ہے اور انسان کو ہر وقت جاگتے رہنے اور ہوشیاری کا مظاہرہ کرنے کے تلقین کرتا ہے کیونکہ وقت کے لیل و نہار دراصل انسان کی گھات میں لگے ہوئے ہیں، انسان کو چاہیئے کہ وہ

خود وقت کی گھات میں رھے اور اس کا سامنا کرنے کے لئے کمربستہ رھے ، شاعر کے نزدیک لیل و نہار دراصل زمانے کے ناخن اور دانت ھیں مگر بڑا ھی احمق ہے وہ انسان جو ان شیر کے جبڑوں میں پڑا خواب غفلت میں سویا رھتا ہے ، دن رات زمانے کے ناخن اور دانت ھیں جن سے وہ انسانی زندگی کو کاٹتا رھتا ہے مگر انسان ہے کہ دن رات سونے اور اترانے میں لگا رھتا ہے۔ وجود اور پھر عدم زمانے کا ایک کھیل ہے ، عدم اور وجود کی شکل میں زمانے کے اسی کھیل کی تصاویر ابھرتی اور مٹتی رھتی ھیں ۔ اس لئے اس پر غم کرنے یا آہ و بکا کی چنداں ضرورت نہیں ، ابن عبدون کہتا ہے (۸) :

الدھر یفجع بعد العین بالاثر
فما البکاء علی الاشباح والصور
انھاک انھاک لاآلوک موعظة
عن نومة بین ناب اللیث والظفر

ترجمہ :

(۱) وجود کے بعد عدم کے ذریعہ زمانہ دکھ پہنچاتا ہے (یعنی انسان پہلے ھستی کا مالک ھوتا ہے پھر اس کے آثار و یادگار باقی رہ جاتی ھیں) تو پھر ان بنتی بگڑتی تصاویر یا ابھرتے مٹتے سایوں پر رونا کس لئے ؟

(۲) باز آجا ! باز آجا ! دیکھ میں تجھے نصیحت کرنے میں کوئی کوتاھی نہیں کر رھا ! شیر کے دانتوں اور ناخنوں کے درمیان مت سو !

مرثیہ کے پہلے چالیس اشعار انسان کے لئے آئینہ عبرت پیش کرتے ھیں ، ان میں زمانے کے اسی تماشائے وجود و عدم کے مناظر اور تلمیحاتی و اشاراتی انداز میں تاریخی واقعات کا ذکر ہے ، زمانے کی بے نیازی و سنگدلی اور اس کے مقابلے میں انسان کی غفلت و بے بسی کا ذکر کرنے کے بعد وقائع وحوادث کی تاریخ شروع ھوتی ہے (۹)

کم دولة ولیت بالنصر خدمتها
لم تبق منها وسل ذکراک من خبر
هوت بدارا وفلت غرب قاتله
وکان عضبا علی الاملاک ذا اثر

ترجمه :

(۱) کتنی هی بادشاهتیں هونگی جو فتح و نصرت کے جھنڈے گاڑھتی اور گردش روز و شب کی چاکری کرتی رهیں مگر اس گردش نے انهیں بھی باقی نه رهنے دیا اور چاهو تو تاریخ سے نصیحت کے لئے سوال کر لو ۔

(۲) یهی گردش تهی جس نے دارا کو زمین پر پٹخ دیا پھر اس کے قاتل سکندر یونانی کی تلوار کو بھی کند کر دیا حالانکه یهی تلوار بڑی تیز اور بادشاهوں پر برتری دلانے والی تهی ۔

دارا و سکندر کے بعد جن اهل حکومت کا تذکره آیا ہے انهیں ابن عبدون کسی نه کسی دلچسپ لقب یا کنیت سے ذکر کرتا ہے جو غیر معروف هونے کے باعث عام قاری کے لئے ایک معما ہے ، اسی لئے علامه ابن بدرون کو اس کی شرح لکھنا پڑی ۔

عجیب بات یه ہے که ابن عبدون اپنے اس قصیده میں زمانے بھر کی عبرتوں کا ذکر کرتا ہے مگر بطلیوس کے حکمرانوں کے ماتم کے سوا تاریخ اندلس کی کسی عبرت کا تذکره نهیں کرتا صرف معتمد ابن عباد کے سقوط و زوال کو قابل ذکر تصور کرتا ہے : (۱۰)

واعثرت آل عبادٍ لَعاً لَهمُ
بذیل زباء لم تُنْفَرْ من الذعر

ترجمه :

یه گردش دوراں هی تو ہے جس نے آل عباد کے بدنصیبوں کو لغزش سے دوچار کر کے تباه کر دیا ، ان پر زمانه خوفناک اونٹنی کی دم پکڑے

چڑھـ دوڑا مگر اس اونٹنی کو ڈرا کر نہیں بھگایا گیا۔

ابن عبدون اپنے عہد کے ملوک الطوائف پر طنـز کرنـا کافـی سمجھتا ہے جو شاھانه القاب اختیار کر کے پھول جاتے تھے : (۱۱)

و او ثقت فی عراها کل معتمد
وأشرقت بقذاها کل مقتدر
وروّعت کل مأمون ومؤتمن
وأسلمت کل منصور و منتصر

ترجمه :

(۱) اسی گردش روز و شب نے هر معتمد لقب رکھنے والے کو جکڑ لیا اور هر مقتدر لقب رکھنے والے کے گلے میں کدورت کا پھندا ڈالدیا ۔

(۲) هر مامـون و موتمن کو خوف زده کر دیا اور هر منصور اور منتصر کو هلاکت کے سپرد کر دیا یعنی یه جھوٹے القاب کسی کام نه آئے ، ابو علی الحسن بن رشیق نے کیا خوب کہا تھا :

مما یزهدنی فی ارض اندلس
سماع مقتدر فیها ومعتضد
القاب مملکة فی غیر موضعها
کالهرّ یحکی انتفا خا صولة الأسد

ترجمه :

(۱) سر زمین اندلس میں میرے دل کو اچاٹ کرنے والی باتوں میں سے ایک مقتدر و معتضد جیسے جھوٹے القاب بھی هیں ۔

(۲) یه القاب تو شاهانه هیں مگر بے محل هیں یه تو ایسے هی ہے جیسے ایک بلی نتھنے پھیلا کر شیر کی نقالی کرنے لگے ۔

اسلامی اندلس کے مرثیوں میں سے ایک مرثیہ طلیطلہ بھی ہے جو کسی گمنام شاعر کی تخلیق ہے مگر ہے بڑا پر درد ، اثر انگیز اور خوبصورت ۔ طلیطلہ قدیم اسلامی اندلس کے چار بڑے شہروں میں سے ایک ہے ، قرطبہ پہلا یورپی اسلامی دارالحکومت ہے جسے اندلس کے اموی خلفاء کے عہد میں بڑا عروج اور عظمت حاصل ہوئی ۔ اشبیلیہ بنو عباد کا دارالحکومت تھا اور اسے معتمد ابن عباد کے حوالے سے بڑی عظمت و شہرت حاصل ہے ، غرناطہ اسلامی اندلس میں مسلمانوں کا آخری دارالحکومت اور بنی احمـــر کے قصر حمراء کا امین ہونے کی وجہ سے ساری دنیا جانتی ہے مگر طلیطلہ کو وہ عظمت و شہرت تو حاصل نہیں جو باقی تین شہروں کو حاصل ہے لیکن ملوک الطوائف کے ایک خاندان بنو ذوالنون کے عہد میں اسے بڑی اہمیت حاصل ہوئی ، اموی سلطنت کے زوال اور منصور بن عامر کی وفات کے بعد عرب اور بربر کی عداوت ، مخاصمت اور تصادم کے باعث اسلامی اندلس کو بہت برے دن دیکھنا پڑے ، قشتالہ اور ارغون کے عیسائی شروع میں باج وصول کرنے پر اکتفا کرتے رہے اور جب یقین ہو گیا کہ اب اسلامی مشرق سے کوئی نہیں آئے گا تو ملوک الطوائف پر یلغار شروع کر دی ، اسی یلغار کے نتیجے میں طلیطلہ کا سقوط عمل میں آیا ، عیسائی فاتحین نے مسلم مفتوحین کے ساتھ جو سلوک کیا وہ المناک و شرمناک ہونے کے باوجود بھی ملوک الطوائف کے بقیہ ,,امیر المؤمنینوں ،، کی آنکھ نہ کھول سکا ۔ (۱۲)

عیسائی راجہ اذفونش نے یوسف بن تاشفین کے ہاتھوں کاری ضرب کھانے اور زلاقہ میں عبرتناک شکست کھانے سے قبل یکے بعد دیگرے ملوک الطوائف کو کچلنا اور اسلامی قلعوں اور شہروں پر قبضہ کرنا شروع کر دیا تھا ، سات سال تک مسلسل طلیطلہ کا

محاصرہ کئے رکھا مگر ملوک الطوائف کو امداد کی توفیق یا جرأت نہ ہو سکی بالآخر علم و دانش کا یہ اسلامی مرکز سرنگوں ہونے پر مجبور ہو گیا ، اس موقع پر صلیب کے علمبرداروں نے ہلال کے علمبرداروں کے ساتھ جو سلوک کیا اسے سنکر آج بھی انسانیت لرزہ براندام ہوتی اور گردنیں شرم سے جھک جاتی ہیں ، سقوط طلیطلہ کے اس گمنام شاعر نے بہتر اشعار پر مشتمل مرثیہ کہا جو واقعات کی پر درد تصویر پیش کرتا ہے ، نفح الطیب کا مصنف احمد المقری ہمارے شکر و تحسین کا مستحق ہے جس نے دیگر المناک واقعات اور قابل فخر کارناموں کو یک جا کرنے کے علاوہ اس قسم کے درد سے لبریز مرثیوں کو بھی محفوظ کر دیا ہے ، اس گمنام شاعر کے پر درد مرثیہ کے چند اشعار یہ ہیں : (۱۳)

طليطلة أباح الكفر منها
حماها انّ ذا نبأ كبير
فليس مثالها ايوان كسرىٰ
ولامنهـا الخورنق والسـدير
محصنه محسنة بعيـد
تناولها ومطلبها عسـير
الم تک معقلا للدين صعبا
فذللّه كما شاء القدير
وأخرج أهلها منها جميعا
فصا روا حيث شاء بهم مصير
وكانت دار ايمان وعلم
معالمها التى طمست تنير
مساجدها كنائس أى قلب
على هذا يقر ولا يطير

ادیلت قاصرات الطرف کانت

مصونات مساکنها القصور

وأدرکها فتور فی انتظار

لسربٍ فی لواحظه فتور

وکان بناو بالقینات اولی

لو انضمت علی الکل القبور

ترجمه : (۱) طلیطه کی محفوظ پناه گاه کو کفار نے لوٹ لیا ، یه تو بہت بڑی بھیانک خبر ہے۔

(۲) جلال و جمال میں یه شہر ایوان کسری ، خورنق اور سدیر (شاه حیره کے محل تھے) کو بھی مات کرتا تھا۔

(۳) یه شہر تو قلعه تھا ، سراپا حسن تھا ، اس تک دست درازی دور کی بات اور اس تک رسائی مشکل تھی۔

(۴) کیا یه شہر دین اسلام کا محفوظ قلعه نه تھا مگر قدرت نے اسے ذلیل کر دیا۔

(۵) اس کے تمام باشندے جلاوطن کر دیئے گئے۔ اب وه قدرت کا عذاب بھگتتے ہوئے بھٹکتے پھرتے ہیں۔

(٦) یه ایمان اور علم کا گھر تھا ، اس کے وه نشان جو نابود کر دیئے گئے اسے روشن کرتے تھے۔

(۷) اس کی مساجد گرجوں میں بدل گئی ہیں ، کونسا دل ہو گا جو اس پر بے قرار ہو کر بکھر نه جائے۔

(۸) اس کی حسین دو دوشیزائیں جو محلوں میں محفوظ تھیں ذلیل ہو کر ہوس کا نشانه بن گئی ہیں۔

(۹) ان میں سے ایک دو شیزه کھڑی ہے۔ آنکھیں پتھرا گئی ہیں ، وه ہوس کار گروہوں کی ہوس رانی کا شکار ہونے کی منتظر ہے۔

(۱۰) ہمارے اور ان دو شیزاؤں کے لئے بہتر تو یہ ہے کہ ہم سب زمین میں دفن ہو جاتے!

اہل صلیب کی یلغار کے آگے ملوک الطوائف میں سے کوئی بھی نہ ٹھہر سکا، ان کی مسلم رعایا مسلسل قتل و غارت گری لوٹ مار اور بیدخلی و جلاوطنی کی زد میں رہی ، بچے غلام بنتے رہے ، دو شیزائیں لونڈیاں بنتی رہیں اور باقی سب تہ تیغ کئے جاتے رہے مگر یوسف بن تاشفین نے اندلس میں داخل ہو کر تاریخ کا رخ ایک بار پھر موڑ دیا پھر کئی صدیوں تک اسلامی اندلس مرابطین کے زیر نگیں رہا اور اہل صلیب حسرت و ندامت سے ہاتھ ملتے رہے ، پھر مرابطین کی جگہ موحدین نے لے لی لیکن یوسف بن تاشفین کی طرح عبدالمؤمن کے جانشین موحدین اندلس حقیقی معنی میں سنبھال نہ سکے ۔ چنانچہ موحدین کے زوال کا تمام و بال اندلس کے مسلمانوں کے حصے میں آیا ، اگر غرناطہ میں بنو احمر کی حکومت مسلمانوں کے لئے ایک گوشۂ عافیت ثابت نہ ہوتی تو اسلامی اندلس نویں صدی ہجری کے بجائے ساتویں صدی ہجری میں ہی ختم ہو جاتا (۱۴)۔

اندلس میں موحدین کے زوال کے بعد ایک بار پھر اسلامی شہر اور قلعے اہل صلیب کی زد میں تھے ، اسلامی اندلس پر جو تباہی و بربادی نازل ہوئی اور مسلمانوں کو جس ذلت اور بےبسی سے دوچار ہونا پڑا اس کی روئیداد غم والم سنانے والے ہمیشہ کی طرح اب بھی محدثین اور علمائے امت ہی تھے جو مسلمانان اندلس کی فریاد لیکر اسلامی مشرق خصوصاً شمالی افریقہ کے مسلم حکمرانوں کے پاس آتے رہے ، کبھی یوسف بن تاشفین اور کبھی عبدالمؤمن بن علی کے پاس ، اب کے مراکش کی حفصی حکومت کے بادشاہ ابو زکریا بن ابی حفصی کے پاس اندلس کا مشہور محدث ، عالم ، ادیب اور شاعر ابو

عبداللہ بن الابار فریادی بنکر آیا تھا ، اس کا سڑسٹھ اشعار پر مشتمل ایک سینیہ قصیدہ ہے جو اسلامی اندلس کے بہترین مراثی میں شمار ہوتا ہے ، اس کا مطلع اور چند اشعار کافی ہونگے : (۱۵)

أدرک بخیلک خیل الله اندلسا
ان السبیل إلی منجاتها درسا
وهب لها من عزیز النصر ما التمست
فلم یزل منک عزیز النصر ملتمسا
یا للجزیرة أضحی أهلها جزرا
للحادثات و أمسی جدها تعسا
فی کل شارقةٍ المام بارقةٍ
یعود مأتمها عند العدا عرسا
وکل غارة إخجال شائبة
تثنی الأمان خدارا والسرور أسا
تقاسم الروم لانالت مقاسمهم
الا عقائلها المحجوبة الأنسا
وفی بلنسیة منها وفی قرطبة
ماینسف النفس أو ما ینزف النفسا
مدائن حلها الاشراک مبتسما
جذلان وارتحل الایمان مبتئسا
یا للمساجد عادت للعدا بیعا
وللنداء غدا اثناء ها جرسا

ترجمہ :

(۱) اے بادشاہ اپنے شہسواروں کو ساتھ لے جو اللہ کے شہسوار ہیں اور اندلس کی فریاد رسی کو پہنچ کیونکہ

اس کی آزادی و نجات کے امکانات نابود ہو گئے ہیں۔

(۲) اہل اندلس کی غالب آنے والی مدد کر جیسا کہ تجھ سے مانگی گئی ہے کیونکہ غالب آنے والی مدد تو تجھ سے ہی مطلوب ہوتی ہے۔

(۳) آہ! جزیرۂ اندلس!! اس کے باشندے تو مذبح خانے کے جانور بن چکے ہیں جو حوادث کی زد میں ہیں اور اندلس کا مقدر تو اب بد نصیبی ہے۔

(۴) ہر طلوع ہونے والا سورج ایک بجلی بنکر گرتا ہے اس کا ماتم ہمارا حصہ ہے مگر یہی دن دشمنوں کے لئے شادمانی بن جاتا ہے۔

(۵) ہر ڈوبنے والا سورج دو شیزہ کے لئے رسوائی کا پیغام دیکر جاتا ہے جو امان کو احتیاط اور خوشی کو غم میں بدل دیتا ہے۔

(٦) عیسائیوں نے قسم کھائی ہے۔ خدا کرے ان کی قسمیں پوری نہ ہوں۔ کہ وہ پردہ نشین حسیناؤں پر ہی دست درازی کریں گے۔

(۷) ان عیسائیوں نے بلنسیہ اور قرطبہ میں جو مظالم ڈھائے ہیں جو جان لینے والے اور خون نچوڑ دینے والے تھے۔

(۸) یہ شہر ہیں جہاں شرک خوشی سے دندناتا ہوا فروکش ہو گیا ہے اور ایمان مایوس ہو کر کوچ کر گیا ہے۔

(۹) آہ!وہ مساجد جنھیں دشمنوں نے گرجوں میں بدل دیا ہے اور اذان کی جگہ وہاں اب گھنٹیاں بج رہی ہیں۔

مگر صد افسوس کہ علامہ ابن الابار کی یہ سفارت ناکام ہوئی، اہل اندلس کی فریاد رسی کے لئے اب مشرق میں کوئی اسلامی طاقت

باقی نہ رہی تھی ، شمالی افریقہ میں اب کوئی یوسف بن تاشفین اور عبدالمؤمن بن علی نہ رہا تھا ، مراکش کے حفصیوں میں مرابطین اور موحدین والا دم خم نہ تھا اس لئے اندلس کے مسلمان اب اہل صلیب کے رحم و کرم پر تھے بلکہ ان کی سنگدلانہ چیرہ دستیوں کے سپرد تھے یہ بنو احمر کا کمال تھا کہ صلیبیوں کو تین سو سال تک اندلس کے ایک کونے میں دبکر روکے رکھـــا تھا ، تاہم دشمن کی داخلی چالوں کے ہاتھوں بنو احمر بھی بالآخر شکست کھا گئے اور اہل صلیب نے جس دسیسہ کاری اور افتراق کا بیج بویا تھا وہ آخر کار بار آور درخت بن گیا ، بنو احمر کی باہمی عداوت ، چپقلش اور دشمن کے ہاتھوں میں کھلونا بننے نے انھیں کہیں کا نہ چھوڑا ۔

غرناطہ کے بنـو احمر کا وہ احمق جو دشمن کے جال میں پھنس کر اندلس سے اسلام کے دیس نکالے اور بالآخر مکمل بے دخلی کا باعث بنا تھا اور تاریخ جسے ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ کے نام سے درس عبرت کا عنوان بناتی ہے ، جب جلا وطن ہوتے وقت غرناطہ کو نگاہ حسرت سے دیکھتے ہوئے اشکبار ہو گیا تھا تو اس کی ماں نے طنزاً کہا تھا : ,,ہاں اب تو دولت غرناطہ پر آنسو بہا کیونکہ تو اسے مردانہ وار تو بچا نہ سکا ! ! ,,اور یوں دولت غرناطہ آسمـاں کے ہاتھوں برباد ہو گئی! مـــگر اس پر کسی ابن بدروں کے دل ناشاد نے فریاد نہ کی کیونکہ ابن عبدون کے قصیدہ رائیہ کا شارح علامہ ابن بدروں تو سقوط غرناطہ سے صدیوں پہلے خاک اندلس میں پیوست ہو چکا تھا ۔ ہاں مگر دولت غرناطہ کی بربادی پر فریاد کرنے والے ضرور تھے ، ان میں سے ایک تو اس احمق ابو عبداللہ کا ہمنام شاعر تھا جو اس کا درباری اور حاشیہ نشین تھا ، ایک گمنام شاعر تھا جس نے سلطان عثمانی سے مدد کی فریاد بھی کی تھی اور کچھ اہل دل تھے

جنھوں نے کچھ اشعار گھڑ کے ابو البقاء رندی کے شہرہ آفاق مرثیہ اندلس میں شامل کر دئے حالانکہ یہ ابو البقاء بھی سر زمین اندلس کا ماتم کر کے دولت غرناطہ کی بربادی سے صدیوں پہلے فوت ہو چکا تھا ، ابو البقاء کے شہرہ آفاق مرثیہ اندلس پر روشنی ڈالنے سے قبل احمق ابو عبداللہ کے درباری شاعر اور سلطان ترکی سے فریاد کرنے والے گمنام شاعر کے مرثیہ غرناطہ پر نظر ڈالیں گے ،

غرناطہ کے فریب خوردہ آخری بادشاہ ابو عبداللہ کا حاشیہ نشین شاعر ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ العربی العقیلی کہلاتا تھا ، عقیلی نے اپنے دھتکارے ہوئے فریب خوردہ آقائے ولی نعمت کی خواہش پر مراکش کے بادشاہ کو ایک خط لکھا تھا جس میں فوجی امداد کی درخواست اور غرناطہ کے مرثیہ کے طور پر ایک قصیدہ میمیہ بھی شامل تھا ، عقیلی کا یہ میمیہ قصیدہ امام محمد بن سعید البوصیری کے قصیدہ بردہ کے تتبع میں کہا گیا ہے مگر یہ مرثیہ کم اور سلطان مراکش کی خوشامد اور پدرم سلطان بود پر ایمان رکھنے والے کی خودستائی زیادہ ہے ، عقیلی کا یہ قصیدہ ایک سو اٹھائیس اشعار پر مشتمل ہے ؛ مطلع اور نمونے کے چند اشعار پر اکتفا مناسب ہے : (۱۶)

مولی الملوک ملوک العرب والعجم
رعیا لما مثله یرعی من الذمم
بک استجرنا و نعم الجار انت لمن
جار الزمان علیه جور منتقم
حتی غدا ملکه بالرغم مستلبا
وأفظع الخطب ما یأتی علی الرغم
حکم من الله حتم لامردّ له
وهل مردّ لحکم منه منحتم

وهی اللیالی وقاک اللہ صولتہا
تصول حتی علی الآساد فی الأجم
کنا ملوکا لنا فی أرضنا دُوَل
نمنا بہا تحت أفنان من النعم
فأیقظتنا سہام للردی صبب
یرمی بأفجع حتفٍ من بہن رُمی
فلا تنم تحت ظل الملک نومتنا
وأیّ ملکٍ بظل الملک لم ینم
یبکی علیہ الذی قد کان یعرفہ
بأدمع مزجت أمواہہا بدم
وصل أواصر قد کانت لنا اشتبکت
فالملک بین ملوک الأرض کالرحم

ترجمہ :

(۱) ملوک عرب و عجم کے آقا! آپ بھی اپنی ذمہ داری اسی طرح پوری کیجئے جس طرح کہ بادشاہ اپنی ذمہ داریاں نبھایا کرتے ہیں۔

(۲) ہم آپ کی پناہ میں آ گئے ہیں اور آپ تو اس شخص کے لئے عمدہ پناہ گاہ ہیں جس پر زمانے نے منتقمانہ ظلم کیا ہو۔

(۳) زمانے کے منتقمانہ ظلم کا حال یہ ہے کہ اس پناہ لینے والے ابو عبداللہ کی سلطنت اسے ذلیل کر کے چھین لی گئی ہے سب سے زیادہ شرمناک آفت وہی ہوتی ہے جو مجبوری لیکر آئے۔

(۴) یہ تو اللہ تعالی کا حتمی فیصلہ ہے جسے کوئی نہیں ٹال سکتا کیا اللہ کے حتمی فیصلہ کو کوئی ٹال سکتا ہے۔

(۵) یہ گردش لیل و نہار ہے میرے آقا! اللہ تعالی آپ کو اس کی زد سے بچائے! یہ تو جنگل بیلے میں رہنے والے شیروں پر بھی

جھپٹ پڑتی ہے۔

(٦) ہم بھی بادشاہ تھے اپنی سر زمین میں ہماری بھی بادشاہتیں تھیں جن کے سایہ میں ہم ناز و نعمت کی نیند سوتے تھے۔

(٧) مگر ہم پر ہلاکت کے تیر برس پڑے، یہ تیر جسے نشانہ بناتے ہیں تو اسے سب سے زیادہ درد ناک موت کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔

(٨) اے بادشاہ! آپ ہماری طرح مملکت کے سایہ میں مت سونا ہاں مگر کونسا بادشاہ ہو گا جو اپنی سلطنت کے سایہ میں سویا نہ ہو!

(٩) جو لوگ اس شاہ ابو عبداللہ کو جانتے تھے سب اس پر خون آمیز آنسو بہا رہے ہیں۔

(١٠) وہ تعلقات قائم کیجئے جو ہم میں اور آپ میں مشترک تھے، کیونکہ روئے زمین کے بادشاہوں کا ایک مشترکہ رشتہ بادشاہت بھی ہوتی ہے!

اسلامی اندلس کے مرثیوں میں سے ایک مرثیہ ابو العباس احمد بن محمد ابن دقون صنہاجی کا قصیدہ لامیہ بھی ہے، شیخ ابن دقون صنہاجی نے اپنے اس مرثیہ کا تمہیدی تعارف عربی نثر میں لکھا ہے اور قصیدہ کا عنوان ہے الموعظة الغراء بأخذ الحمراء (١٧) (الحمراء پر قبضہ کی روشن نصیحت) جیسا کہ عنوان سے ہی ظاہر ہے یہ مرثیہ سقوط غرناطہ کا مرثیہ ہے اور اس المیہ کے بعد کہا گیا۔

شیخ ابن دقون کا یہ مرثیہ لفظی و معنوی اسلوب کے اعتبار سے اتنا بلند نہیں ہے مگر سقوط غرناطہ کے نتیجے میں جو صورت حال پیدا ہوئی شیخ نے اس کی تصویر کشی کی کوشش کی ہے، قصیدہ کا مطلع ہے: (١٨)

أمنت من عكس آمال و احوال
وعشت مابين أعمام و أخوال
ولا ابتليت بما فی القلب من نكد
فالجسم مشتغل من غير أشغال

ترجمه :

(۱) اے مخاطب ! تو تو امیدوں اور حالات کے دگرگوں ہونے سے محفوظ ہے کیونکہ اپنے چچا اور ماموں کے ساتھ رہتا ہے۔

(۲) تو دل کو تکلیف دینے والے کسی صدمہ میں مبتلا ہی نہیں ہوا ، تیرا جسم بھی سلامت ہے اور بغیر کسی کام کے مشغول ہے ؟

اسی مرثیے کے چند اور اشعار ملاحظہ کیجئے :

واحتلّ غرناطة الغراء قد عدمت
حب الحصيد ونصر الله و الآل
كأنّها الشمس فی أفق العلی كسفت
فهل علی طلل ترمی بأبطال ؟
وهل تعود ليال قد سلفن بها
ونحن لانشتكی تنكيد ضلال
وهل يعود لها الدين الذی أنست
به وقد أيست من فتح ابدال
فأصبحوا لاترى الا مساكنهم
كمثل عاد وما عاد بأشكال
قد فرقوا كسبا فی كل منزلة
وقد سبا عده من أيد أو عال

فلا المساجد بالتوحيد عامرة
إذ عمروها بنا قوسٍ وتمثال
ولا المنابر للوعاظ بارزة
للأمر والنهى أو تـذكيـر آجال
ولا المكاتب بالصبيان آنسة
تتلو القرآن بأسحارو آصال

ترجمه :

(۱) دشمن نے غرناطه پر قبضه کر لیا ہے غلے کے دانے اور الله و رسول کی نصرت و برکت بھی غائب ہے۔

(۲) یوں لگتا ہے که غرناطه افق بلندی پر پہنچا ہوا آفتاب تھا جو گہنا گیا ، تو کیا یه غرناطه اپنے بہادر ابطال کو ٹیلوں پر پھینک دے گا۔

(۳) کیا وہ راتیں دوبارہ آئیں گی جو اس میں بیت چکی ہیں ؟ اور ہمیں منغص کرنے والے گمراهوں کی شکایت بھی نه رہے گی ؟

(۴) اور کیا وہ دین واپس آئے گا جس سے غرناطه مانوس تھا ، جبکه کسی ولی یا ابدال کی فتح و نصرت سے یه مایوس ہو چکا ہے۔

(۵) اب حالت یه ہے که اهل غرناطه کے صرف گھر دکھائی دیتے ہیں ، جس طرح قوم عاد کے صرف گھر باقی رہ گئے تھے ، اور عاد کی بہت سی شکلیں تو نہیں ہونگی !

(٦) غرناطه والوں کو قوم سبا کی مانند ادھر ادھر بکھیر دیا گیا ہے ، جبکه ان کی ایک تعداد کو وحشیوں نے جکڑ لیا ہے۔

(۷) اب نہ تو مساجد اعلان توحید سے آباد ھیں کیونکہ عیسائیوں نے اذان کی جگہ ناقوس اور مجسمہ کو دے دی ہے۔

(۸) اور نہ وعظ و تبلیغ کے لئے واعظین کو منبر پر آنے دیا جاتا ہے۔

(۹) اور نہ مکاتب میں صبح و شام درس قرآن کے لئے بچے ھیں۔

ابو البقاء کے خوبصورت قصیدہ نونیہ سے قبل کسی گمنام شاعر کا ایک مرثیہ غرناطہ ھمیں اپنی طرف متوجہ کر رہا ہے جو لفظی ساخت کے اعتبار سے تو معیاری نہیں مگر باتیں بڑی پر درد اور اثر انگیز ھیں ، یہ مرثیہ سقوط غرناطہ کے المیہ کے بہت بعد کے واقعات کی تصویر پیش کرتا ہے ، جب عیسائیوں نے طے شدہ شرائط صلح کو پس پشت ڈال کر مسلمانوں پر عرصہ حیات تنگ کر دیا تھا ان کے لئے صرف دو راستے تھے ، بپتسمہ لیکر عیسائیت قبول کر لیں یا گردن کٹوانے کے لئے تیار ھو جائیں (۲۰)۔

یہ مرثیہ دراصل مسلمانان اندلس کی فریاد ہے جو عثمانی خلیفہ سلطان بایزید خان کے نام ہے ، منظومہ کے شروع میں شاعر نے نثری تمہید میں سلطان با یزید خان کو بھاری بھر کم القاب سے (۲۱) یاد کیا ہے ، مطلع غائب ہے ، چند شعر پر اکتفا کرتے ھیں ۔ (۲۲)

فلما دخلنا تحت عقد ذمامهم
بدا غدرهم فينا بنقض العزيمة
وخان عهودا كان قد غرّنا بها
ونصّرنا كرها بعنف و سطوة
وأحرق ماكانت لنا من مصاحف
وخلطها بالزبل أو بالنجاسة

وكل كتاب كان فى أمر ديننا

ففى النور القوه بهزء و حقرة

ولم يتركوا فيها كتابا لمسلم

ولا مصحفا يخلى به للقراءة

ومن صام اُو صلى ويعلم حاله

ففى النار يلقوه على كل حالة

وفى رمضان يفسدون صيامنا

بأُكل وشُرب مرّة بعد مرّة

وقد امرونا اُن نسبّ نبينا

ولا نذكرنه فى رخاء وشـــدة

ترجمه :

(۱) جب هم نے ان سے عهد و پیماں کیا تو ان کی بد عهدی وغداری سامنے آ گئی ؟

(۲) دشمن نے عهد و پیمان توڑ دیا جس کے ذریعه همیں دهوکا دیا تها ، تشدد اور دست درازی سے همیں عیسائی بنا لیا ۔

(۳) همارے قرآن کریم جلا دئے اور انهیں گوبر اور نجاست سے آلوده کیا ۔

(۴) هماری هر کتاب کو تمسخر اور حقارت کے ساتھ نذر آتش کر دیا ۔

(۵) مسلمانوں کے لئے کوئی کتـاب یا مصـحف مقـدس نه چهوڑا جسے وه چهپ کر هی پڑهـ لیتے !

(٦) اگر پته چل جاتا که کسی نے روزه رکها هوا ہے یا نماز پڑهی ہے تو اسے هر حال میں آگ میں ڈال دیتے ۔

(۷) رمضان المبارک میں بار بار کھا پی کر ہمارا روزہ خراب کرتے ہیں ۔

(۸) انہوں نے ہمیں حکم دیا ہے کہ ہم اپنے رسولؐ کو (معاذ اللہ) برا بھلا کہیں اور کسی نرمی سختی میں ان کو یاد نہ کریں ۔

مگر اندلس کا وہ شہرہ آفاق مرثیہ جو جمال لفظی و معنوی کے ساتھ دلوں کو ہلا دینے والا ہے اور مشرق و مغرب میں زبان زد خلائق چلا آتا ہے اور عربی ادب کے علاوہ فارسی ، اردو اور ترکی ادب والے بھی اس سے نامانوس نہیں وہ اسلامی اندلس کے ادیب و شاعر ابو البقاء صالح بن شریف الرندی الاندلس کا نونیہ قصیدہ ہے ، کسی عرب ملک کا نصاب تعلیم اس قصیدہ سے خالی نہ ہو گا ، مولانا آزاد اور دیگر بلند مرتبہ ادبائے اردو کے ہاں بھی اس مرثیہ کی باز گشت سنی جا سکتی ہے ۔ (۲۳)

یہی وہ قصیدہ ہے جو ہر زمانے میں مقبول رہا اور اس میں الحاقی اشعار بھی شامل کئے جاتے رہے ، یہ مرثیہ اگرچہ سقوط غرناطہ سے بہت پہلے کا ہے مگر اس کے بعض متنوں میں المیہ سقوط غرناطہ کے متعلق بھی اشعار موجود ہیں ، احمد المقری نے اس کے تمام الحاقی اشعار حذف کر کے نفح الطیب اور ازہار الریاض (۲۴) میں اسے درج کر دیا ہے ، مرثیہ کا مطلع ہے ۔ (۲۵)

لکل شئی اذا ماتم نقصان

فلا یغرّ بطیب العیش انسان

ھی الأمور کما شاھدتھا دول

من سرّہ زمن ساءتہ ازمان

ترجمہ :

(۱) ہر چیز جب مکمل ہو جاتی ہے تو اس میں نقص کا

آغاز ہو جاتا ہے (ہر کمالے را زوالے) تو اس لئے کسی انسان کو خوشگوار زندگی سے دھوکا نہیں کھانا چاہیے!

(۲) یہ تو بدلتے ہوئے حالات ہیں جیسا کہ تو نے مشاہدہ کیا ہے ، اگر کسی کو ایک زمانہ خوش کرتا ہے تو کئی زمانے ناگوار بھی لگتے ہیں!

ابو البقاء کا یہ شعر تو ضرب المثل بن کر ہر زبان پر رواں ہے :

یا غافلا وله فی الدهر موعظة
ان کنت فی سنة فالدهر یقظان

ترجمہ :

اے غافل! یہ گردش زمانہ تیرے لئے تازیانہ موعظت و عبرت ہے اگر تو سوتا ہے تو سوتا رہ ، یہ زمانہ تو گردش بیدار ہے!

مشرق کے اہل اسلام کو جھنجھوڑتے ہوئے کہتا ہے :

ماذا التقاطع فی الاسلام بینکم
وانتم یا عباد الله اخوان
ألانفوس أبیات لها همـــم
أما علی الخیر انصار و أعوان!

ترجمہ :

(۱) مسلمان ہوتے ہوئے ایک دوسرے سے تمہاری یہ سنگدلی وقطع رحمی کیا معنی رکھتی ہے ؟ اللہ کے بندو تم تو بھائی بھائی ہو۔

(۲) کیا اب تم میں خود دار و باہمت انسان باقی نہیں رہے ؟ کیا اب نیکی کی خاطر امداد اور باہم تعاون کرنے والے بھی مفقود ہو گئے ہیں ؟!

معلوم ہوتا ہے کہ ابن عبدون کا قصیدہ رائیہ (جس کی شرح علامہ ابن بدرون نے کی تھی) اندلس کے عرب شعراء کے دل و دماغ پر ایک مدت تک چھایا رہا اور اس کے اثرات اندلسی شعراء کے کلام میں دیکھے جا سکتے ہیں ، ابو البقاء بھی اپنے اس نونیہ قصیدہ میں ابن عبدون کے مضامین قصیدہ سے متاثر نظر آتا ہے۔ ابن عبدون نے داستان ماضی اور قصہ تاریخ بننے والی سلطنتوں اور حکمرانوں کا ذکر کر کے زمانے کی سنگدلی و بے نیازی اور بے وفائی کا گلہ کیا ہے۔ ابو البقاء کے ہاں بھی یہ مضمون اسی شکل میں جلوہ گر نظر آتا ہے :

أتی علی الکل امر لا مردّ له
حتی قضوا فکأن القوم ماکانوا
وصار ماکان من مُلکٍ ومن مَلِکٍ
کما حکی عن خیال الطیف وسنان

ترجمہ :

(۱) ان سب پر اللہ تعالی کا اٹل حکم فنا آیا تو سب یوں مٹ گئے جیسے یہ لوگ کبھی تھے ہی نہیں ۔

(۲) بادشاہتوں اور بادشاہوں میں سے ہر ایک کا وہی حشر ہوا جو اونگھ کی حالت میں آنے والے طیف خیال کا ہوتا ہے۔

لیکن ابن عبدون کے رائیہ قصیدہ میں کہیں اسلام یا ملت اسلامیہ کا تذکرہ ڈھونڈنے سے بھی نہیں ملتا مگر ابو البقاء الاندلسی کا یہ نونیہ قصیدہ سراپا فریاد ہے ملت اسلامیہ اور اسلام کی جو شعر کی شکل میں دلوں کو ہلاتی اور دماغوں کو جھنجھوڑتی ہے :

فجائع الدهر انواع منوّعة
وللزمان مسرات و اُحزان

وللحوادث سلوان يهونهـــا

وما لما حلّ بالإسلام ســلوان

ترجمه :

(۱) دکھ درد پہنچانے والی آفات زمانه تو نوع بنوع هیں ، اور زمانه انسانوں کو کبھی خوشیاں دیتا اور کبھی غموں سے دوچار کرتا هی رهتا ہے۔

(۲) اور حوادث و آفات کے لئے کوئی نه کوئی وجه تسلی بھی مل جاتی ہے جو انهیں هلکا اور قابل برداشت بنا دیتی ہے مگر جو آفت اسلام پر ٹوٹی ہے اس کے لئے تو کوئی وجه تسلی نهیں ہے۔

ابو البقاء یه کهکر تو پتھر دلوں کو بھی پگھلا دیتا ہے که :

لمثل هذا یذوب القلب من کمد

ان کان فی القلب اسلام و ایمان!!

ترجمه : دکھ درد کے ان مناظر سے تو جلن کے مارے دل پگھل جاتا ہے بشرطیکه دل میں اسلام اور ایمان کی چنگاری موجود هو۔

یه تو اسلامی اندلس کی وه داستان غم والم ہے جو اندلس کے عرب شعراء پیش کرتے هیں مگر ایک تصویر وه بھی ہے جو میں نے پڑھی ، سنی اور آنکھوں سے دیکھی ہے ، اندلس هی ایک ایسا خطه تھا جهاں سے طویل حکمرانی کے باوجود اسلام اور مسلمانوں کا سرکاری طور پر دیس نکالا هوا اور بزعم خویش سنگدل و متعصب عیسائیوں نے اس کی مکمل بیخ کنی کر دی تھی مگر هسپانیه میں آج پھر اسلام کا شجره طیبه برگ و بار لارها ہے۔ استاذ گرامی مولانا عبدالعزیز میمن رحمة الله علیه فرمایا کرتے تھے که مراکش کے شهروں میں انهوں نے اندلسی مهاجرین کے ایسے گھرانے دیکھے جن کے هاں

نسلاً بعد نسلٍ اپنے ان مکانوں کی چابیاں آج تک اس یقین کے ساتھ منتقل ہوتی چلی آتی ہیں کہ ایک نہ ایک دن وہ اپنے اس سرسبز و شاداب وطن کو ضرور لوٹیں گے!!

شاعر اسلام علامہ محمد اقبال نے خاص نیت سے اسلامی اندلس کی عظمت رفتہ کا مشاہدہ کرنے کے لئے طویل و مشقت آمیز سفر اختیار کیا تھا ، گئے تھے تو اس غم اور پریشانی کے ساتھ کہ اس سر زمین مغرب نے شجرہ اسلام کو اپنے اندر جڑ کیوں نہ پکڑنے دی تھی مگر جب واپس آئے تو اس یقین و اعتماد کے ساتھ کہ اندلس اسلام کی فردوس گم گشتہ اور ارض موعودہ ہے ، یہاں اسلام کی واپس اسی طرح یقینی ہے جس طرح جنت سے نکالے گئے آدم کی جنت کو واپس یقینی اور لازمی تھی!

مراکش کا ایک عظیم الشان شہر اور سمندری بندرگاہ ہے جس کا نام کاسا بلانکا ہے ، یہ ہسپانوی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ہیں سفید محل ، اسی لئے اس شہر کا عربی نام ہے الدار البیضاء (سفید مکان) جو کاسا بلانکا کا لفظی ترجمہ ہے ، ۱۹۸۰ء میں اس شہر کو پہلی بار دیکھنے کا موقع نصیب ہوا ، اس کا سب سے بڑا پر شکوہ اور خوبصورت محلہ حی الاندلس (اندلس کا محلہ) ہے ، یہاں کے ممبر قومی اسمبلی جناب حسن لوزی مرحوم کے ہاں پر تکلف دعوت میں شریک ہوا جو میرے لئے منعقد ہوئی تھی ، دعوت میں اندلس کا ذکر چلا تو حسن لوزی فرمانے لگے : آئندہ چند سالوں میں ہسپانیہ ایک اسلامی ملک بن جائے گا ، ہسپانیہ کا سب سے بڑا صوبہ ہے اندولیسیا یہاں کے لوگ خود کو عربوں کی اولاد سمجھکر دھڑا دھڑ اسلام قبول کر رہے ہیں ۔ گذشتہ سال عیدالفطر کے موقع پر پانچ سو نومسلم ہسپانوی ایک جہاز میں کاسا بلانکا میں عیدالفطر کی نماز پڑھنے کے لئے آنکلے ، بغیر پاسپورٹ کے عیدگاہ میں نماز ادا

کی اور ہم سے وعدہ لیا کہ کاسا بلانکا سے ایک ہزار مسلمان عیدالاضحی کی نماز سپین میں ادا کریں اور قربانی کرنے میں ہمارے ساتھ شریک ہوں !

اسلام کی فطرت میں قدرت نے لچک دی ہے
اتنا ہی یہ ابھرے گا جتنا کہ دبا دیں گے

مصادر و مراجع

(۱) زندہ رود (از ڈاکٹر جاوید اقبال) ۳ : ۵۰۳ .
۲ ـ روائع اقبال (از مولانا ابو الحسن علی ندوی)
۳ ـ کلیات اقبال اردو
۴ ـ کلیات سعدی ص ۵۱۶ ـ
۵ ـ داغ (از تمکین کاظمی) ص ۳۰ تا ۵۵ ـ
۶ ـ نفح الطیب (از احمد المقری) ۳ : ۳۲۱
۷ ـ المغرب (از عبدالواحد المراکشی) ص ۲۵
۸ ـ ایضاً
۹ ـ ایضاً
۱۰ ـ ایضاً
۱۱ ـ تاریخ الادب الاندلس (از ڈاکٹر احسان عباس) ص ۱۹ ، نفح الطیب ۵ : ۷۲ـ
۱۲ ـ نفح الطیب ۵ : ۷۲
۱۳ ـ ایضاً
۱۴ ـ تاریخ العرب مطول (از فلپ ہٹی) ص ۶۶۱ ـ
۱۵ ـ ازھار الریاض (از احمد المقری) ۱ : ۱۰۳ ـ ۱۳۵ ، نفح الطیب ۶ : ۲۸۰
۱۶ ـ ایضاً
۱۷ ـ ازھار الریاض ۱ : ۱۱۴ ـ
۱۸ ـ ایضاً
۱۹ ـ ایضاً
۱۹ ـ ایضاً
۲۰ ـ ایضاً
۲۱ ـ ایضاً
۲۲ ـ ایضاً ، نفح الطیب ۶ : ۲۳۲ ـ
۲۳ ـ ازھار الریاض ۱ : ۱۰۳ ـ ۱۳۵ ، نفح الطیب ۶ : ۲۸۰ ـ
۲۴ ـ ایضاً
۲۵ ـ ایضاً

★★★

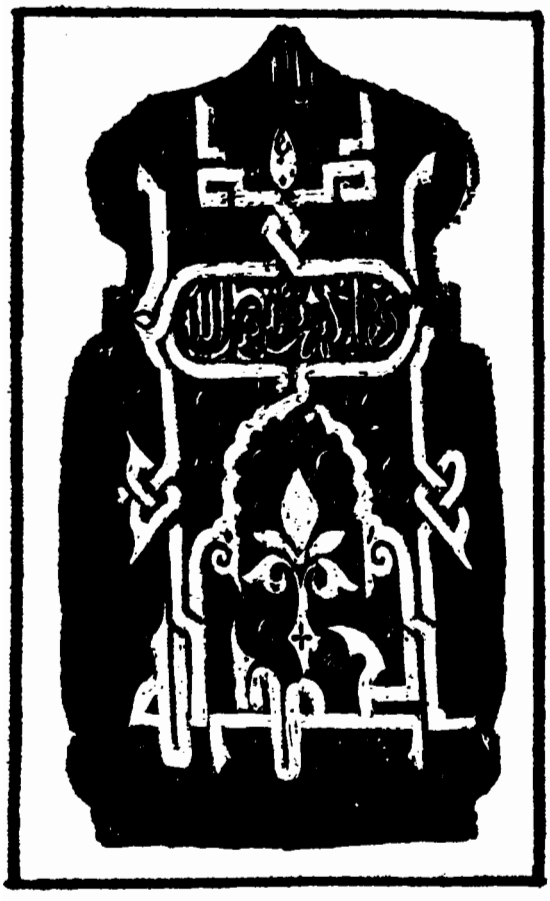

كتابة زخرفية
معقودة بخط كوفي وخـط
اندلسي من ايوان مدخـل
رحبة السباع فى قصر الحمراء
بالاندلس .

←

سپین :

اردو کے سفرناموں کے آئینہ میں

ڈاکٹر رحیم بخش شاہین

اندلس پر مسلمانوں نے تقریباً آٹھ سو سال تک حکومت کی اور اس سرزمین میں انھوں نے ایک ایسی تہذیب کی بنیاد رکھی جو مقامی عناصر کو اپنے اندر سمونے کے باوجود اصل کے اعتبار سے اسلامی تھی اور جس پر عربی اثرات نمایاں تھے۔ اس منفرد تہذیب میں انسانی قدروں کو جو توقیر حاصل ہوئی اور علوم وفنون کو جو ترقی ملی وہ نہ صرف اندلس کے لئے بلکہ پورے یورپ کے لئے سرمایہ عزت و ذریعہ قوت ثابت ہوئی لیکن ۱۴۹۲ء میں سقوط غرناطہ کے المیہ کے وقوع پذیر ہوتے ہی ظلم وستم کا ایک دور شروع ہو گیا۔ عیسائی حکمرانوں نے مذہبی تعصب کی بنا پر غیر عیسائی اقوام کو مٹانے کی پالیسی اختیار کی خصوصاً مسلمانوں کے ساتھ ان کا رویہ انتہائی ظالمانہ تھا۔ انھوں نے مسلمانوں کے زندہ رہنے کی شرط یہ رکھی کہ وہ عیسائی ہو جائیں دوسری صورت میں انھیں جان سے ہاتھ دھونا ہوں گے یا ملک سے نکل جانا ہوگا۔ اس معاملے میں عیسائی پادری نئے حکمرانوں کے موید اور معاون تھے۔ عیسائیت کی حفاظت اور اشاعت کے نام پر بے شمار مسلمان مردوں، عورتوں اور بچوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا گیا اور تیس لاکھ کے لگ بھگ مسلمانوں کو اندلس سے نکل جانے پر مجبور کر دیا گیا۔ اس طرح اس خطہ ارض پر ایک ایسی قوم کا جینا ناممکن بنا دیا گیا جس نے

اپنی محنت شاقہ اور ذوق لطیف سے اندلس کو تہذیب و تمدن کا گہوارہ بنا دیا تھا ، اس میں صنعت و حرفت، زراعت و تجارت کو لائق رشک فروغ بخشا تھا ۔ اور علوم وفنون کی اشاعت و ترقی کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع کیا تھا ۔ یہ مسلمانان اندلس کی مساعی تھیں جن کے نتیجے میں جدید یورپ کا وجود میں آنا ممکن ہوا ۔ مشہور یورپی مورخ لین پول اندلس میں مسلم اقتدار کے خاتمے پر اظہار رنج و غم کرتے ہوئے لکھتا ہے :

,,اہل اسپین اس وقت بالکل مبہوت تھے اور نہیں جانتے تھے کہ کیا کر رہے ہیں ۔ مسلمانوں کی جلاوطنی سے بڑھ کر ان کو کسی بات کی خوشی نہ تھی ۔ کوئی نقصان ان کے نزدیک اس سے زیادہ عجیب و غریب نہ تھا ۔ کوئی واقعہ مدت تک اس سے زیادہ دلچسپ نہیں گزرا ۔ انھوں نے قصائد لکھ کر اظہار مسرت کیا ۔ پوپ ڈی ویگا نے اس واقعہ کو گیت کی طرح گایا ۔ ویلز کوسز نے اس پر ایک مرصع یادگار لکھی ۔ سروینٹس جیسا آزاد منش اور رحم دل شخص بھی ان پرجوش مناقب کی داد دیئے بغیر نہ رہ سکا ۔ لیکن افسوس ! صد افسوس کسی کو اس بات کا خیال نہ آیا کہ مسلمان ملک سے جلا وطن نہیں ہوئے بلکہ انھوں نے ایک مرغ زرّیں کو ہلاک کر دیا ہے ۔ وہ مسلمان جن کے ظلّ حمایت میں اسپین سینکڑوں برس تک سچی تہذیب اور شائستگی کا مرکز ، جمیع علوم وفنون کا سرچشمہ رہ چکا تھا ۔ جن کی بدولت اس کو صدیوں علمی کوثر اور کعبہ تہذیب بننے کا فخر رہا تھا ۔ یورپ کی کوئی قوم اس جلیل القدر قوم کی ہمسری نہ کرسکی تھی ۔ کوئی ملک مہذب اندلس کا ہم پلہ نہ ہو سکا تھا ۔ ،، ... ,, غرضیکہ جب مسیحی مسلمانوں کو جلاوطن کرکے ان کے نام ونشان تک مٹا چکے ، ملک ان سے پاک کر چکے تو

اسپین چاند کی طرح بقعہ نور معلوم ہوتا تھا لیکن بہت کم عرصہ کے لئے کیونکہ یہ روشنی خانہ زاد نہ تھی ۔ بلکہ چاند کی روشنی کی طرح مستعار اور عطائے خورشید تھی ۔ چنانچہ گرہن شروع ہو گیا جس کی تاریکی میں ملک اور قوم آج تک ملتبس چلی آتی ہے ۔ لیکن مسلمانوں کی زندہ یادگاریں ابھی تک اسی آب و تاب سے موجود ہیں اور اندلس مرحوم پر نوحہ خوانی کر رہی ہیں،، (مسلمان اندلس میں، ص ۳۵۵ ۔ ۳۵٦) ۔

اندلس میں تہذیب و تمدن کی ترقی کے سلسلے میں مسلمانوں نے جو کارنامے انجام دیئے ان کی تفصیل سے مشرقی اور مغربی مصنفین کی تواریخ بھری پڑی ہیں ۔ متعدد تذکرے اور طبقات ان بلند پایہ شخصیتوں کے احوال زندگی کا مخزن ہیں ۔ جنھوں نے علوم و فنون کے مختلف شعبوں میں اپنی قابلیت و مہارت کا لوھا منوایا ۔ یہ شخصیتیں اس زمانے میں پیدا ہوئیں جب گلستان اندلس پر بہار چھائی ہوئی تھی ۔ لیکن پھر نفرت کی آگ نے اس کے سارے حسن کو بھسم کر دیا اور یہ مردم خیز خطہ عقیم ہو کر رہ گیا ۔ اس کے تذکرے کتابوں کے اوراق میں محدود ہو گئے ۔ مسلمانوں کی بنائی ہوئی عمارتیں شاھراھیں اور سیرگاھیں آثار قدیمہ میں شمار ہونے لگیں اور مسلمان سیاحوں کی نگاہ التفات کو ترسنے لگیں ۔ اگر کوئی مسلمان سیاح ادھر گیا بھی تو اس نے سفر کے حالات لکھنے اور داغ ھائے سینہ کو تازہ کرنے کی زحمت گوارا نہیں کی ۔ یہی وجہ کہ عالم اسلام کی بڑی بڑی زبانوں میں لکھے گئے اندلس کے سفرناموں کی تعداد انگلیوں پر گنی جا سکتی ہے ، ان زبانوں میں اردو بھی شامل ہے ۔

اردو میں سپین کے جو سفرنامے لکھے گئے ان میں قند مغربی (مطبوعہ جنوری ۱۸۹۸ء) کو زمانی اعتبار سے اولیت حاصل ہے جبکہ

آخری سفرنامہ ,,سورج کے ساتھ ساتھ ،، (مطبوعہ ستمبر ۱۹۸۸ء) اس فہرست میں شامل ہوا ۔ نوے سال کی طویل مدت میں سپین کے نو طویل اور مختصر سفرنامے معرض تحریر میں آئے ہیں، جن کا اجمالی تعارف ان صفحات میں پیش کیا جا رہا ہے:

(۱) سفرنامہ اندلس مسمی بہ قند مغربی

نواب محمد عمر علی خان کا یہ سفرنامہ ان کے خلف الرشید نواب محمد حیدر علی خان والی ریاست باسودہ نے رمضان ۱۳۱۵ھ/ جنوری ۱۸۹۸ء میں مطبع نظامی کانپور سے شائع کیا ۔ صاحب سفرنامہ سیر وسیاحت کے بہت شائق تھے ۔ ان کا شوق سیاحت انھیں ہندوستان کے اندر اور دیگر ممالک میں کشاں کشاں لئے پھرتا رہا ۔ انھوں نے ہندوستان کے مختلف حصوں کی اس زمانے میں سیر کی تھی جب کہ ریل کا آغاز بھی نہیں ہوا تھا ۔ اس کے بعد انھوں نے عرب، یورپ، سیلون، برما اور چین وغیرہ کی سیاحت کی اور اس کی تفصیل اپنے سات سفرناموں میں پیش کی ۔ ان کا آٹھواں سفرنامہ سیاحت اندلس کی روداد پر مشتمل ہے ۔

سفرنامہ اندلس یا قند مغربی اگرچہ زیادہ مفصل اور معیار کے اعتبار سے کوئی وقیع سفرنامہ نہیں ہے ۔ اس کے باوجود اس کی ایک تاریخی اہمیت ہے ۔ یہ نادر و نایاب سفرنامہ اردو میں لکھے گئے سپین کے سفرناموں میں قدیم ترین سفرنامہ ہے اس سے قبل اسپین کا اردو میں کوئی سفرنامہ ہمارے علم میں نہیں آیا ۔ نہ صرف اردو زبان کے عہد بہ عہد ارتقا کی تاریخ میں بلکہ صنف سفرنامہ کے مطالعہ میں بھی اس کو بہت اہمیت حاصل ہے کیونکہ اس کا شمار اردو کے ان چند سفرناموں میں ہوتا ہے جو انیسویں صدی میں لکھے گئے ۔ قند مغربی ایک ایسے سیاح کا کارنامہ ہے جسے کوئی یورپی

زبان نہیں آتی تھی ، اس کے باوجود وہ یورپ کے تقریباً ہر بڑے ملک کی سیاحت سے محظوظ ہوا اور سیاحت میں وہ نام پیدا کیا کہ جب حج کے موقع پر اپنے مرشد حاجی امداد اللہ مہاجر مکی سے ملاقات کی تو انھوں نے اس کو ,,اے ہمارے جہانیاں‌جہاں گشت،، کہہ کر پکارا ۔ (ص : ۱۵)

نواب محمد عمر علی خان نے اپنے آٹھویں سفر کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے حصہ اول بمبئی سے اسپین تک اور حصہ دوم ملک مغاربہ المراکو، تونس اور الجیریہ وغیرہ سے متعلق ہے ۔

قند مغربی میں مصنف نے صرف اپنے سفر اندلس کا احوال رقم کیا ہے ۔ وہ مئی ۱۸۹۳ء میں ریاست باسودہ سے روانہ ہو کر بمبئی پہنچے اور ,, پرشیاء ،، نامی جہاز پر سوار ہو کر عازم حج ہوئے ۔ اس سفر کا کچھ حال انھوں نے نظم میں اور کچھ نثر میں بیان کیا ہے ۔ نظم کا آغاز یوں ہوتا ہے :

مختصر ہے یہ التماس رئیس
نظم لکھتا ہوں جو بلفظ سلیس
بعد حمد خدا و نعت رسولؐ
عرض اتنی ہے پائے عز قبول
بیٹھے بیکار جی جو گھبرایا
یہ ہی میرے خیال میں آیا
نظم میں لکھوں اب کی حال سفر
نثر میں تو لکھا گیا اکثر
(ص : ۷)

اگرچہ یہ نظم شاعری کا کوئی عمدہ نمونہ نہیں لیکن اس کی بدولت اس قدیم سفرنامہ کو یہ خصوصیت ضرور حاصل ہو گئی ہے کہ

اس میں بعض تفصیلات سفر کو اشعار کی صورت میں بھی بیان کیا گیا ہے۔ جبکہ سفرناموں میں یہ روش نایاب ہے۔

حج کے بعد نواب صاحب نے سپین جانے کا عزم کیا لیکن وبا کی شدت اور قرنطینہ کی پابندی کی بنا پر آگے نہ جا سکے لہذا واپس وطن لوٹ گئے۔ چند ماہ بعد پھر عازم یورپ ہوئے۔ سویز سے گزر کر بحیرہ روم میں مختلف جزیروں کا نظارہ کرتے ہوئے ۳۰ نومبر ۱۸۹۳ء کو مارسیلز پہنچے اور وہاں سے سپین کی بندرگاہ بارسلونا کا رخ کیا۔ بارسلونا سے روانہ ہو کر انھوں نے ویلنشیا، کارڈوبا، غرناطہ، ملاگہ اور میڈرڈ وغیرہ کی سیاحت کی۔

,,قند مغربی،، میں سپین کی سیاحت کا حال تو نہایت اختصار سے لکھا گیا ہے ۱۵۶ صفحوں کی کتاب میں صرف ۴۵ صفحے روداد سفر کے لئے مخصوص کئے گئے ہیں۔ البتہ تاریخ اندلس پر بہت توجہ دی گئی ہے۔ تقریباً ایک سو صفحوں میں مصنف نے سپین کی قدیم تاریخ، مسلم دور اور عیسائیوں کے ہاتھوں سپین کی فتح وغیرہ کی تفصیل رقم کی ہے کیونکہ بقول مصنف :

,,بہت لوگ ہیں جن کو واقعات کی خبر نہیں اس لئے راقم آثم سب سے پہلے واقعات تاریخی کو مجملاً ابوالفدا و تاریخ اندلس اردو، طبقات اندلس وتذکرۃ الکرام تاریخ عرب الاسلام وغیرہ وغیرہ سے واسطے ادراک حال اور سیاق کلام کے گزارش کرتا ہے،،۔ (ص : ۲۳)

مآخذ کے اس مرعوب کن تذکرہ کے باوجود تاریخ نویسی کا انداز داستانی ہے۔

سپین کا رخ کرنے سے قبل نواب محمد علی خان کی زیادہ توجہ یورپ کے ممالک پر مرکوز رہی لیکن ان ممالک کی طرف جاتے آتے انھیں اسپین کے ساحلی مقامات کے مناظر دعوت نظارہ دیتے اور

طبقات اندلس کا مطالعہ بھی اس خطے کی سیر پر اکساتا ۔ خصوصاً قرطبہ کی جامع مسجد کی زیارت کا شوق دل میں انگڑائیاں لیتا ، اس لئے انھیں جونہی موقع ملا وہ سپین کی سیاحت پر نکل کھڑے ہوئے ۔ صاحب سفرنامہ مسجد قرطبہ کو اپنے سفر سپین کی غایت اصلی اور مقصود کلی قرار دیتے ھیں ۔ (ص: ۱۲۶)

نواب محمد عمر علی خان نے جامع مسجد کو کیسا پایا ؟ اس سلسلے میں ,,سن لیا جو کچھ سنا اب چشم دیدہ دیکھئے ،، کے عنوان کے تحت انھوں نے یوں لکھا ہے :

,,مسجد جو اب بطور کنیسہ کے ہے بھی اس دنیا کے عجائبات سے ہے۔ اس کو عبدالرحمن نے کہ جس کو قرطبہ میں سکنۃ عبدالرحمن کہتے ھیں اپنے عہد خلافت میں بنایا تھا اور ترمیم اس کی بعض خلفا کے وقت میں بھی ہوئی طول اس کا سات سو چالیس قدم ہے اور عرض اس کا چار سو چالیس قدم ہے اور ستون آٹھ سو پچاس اور کنیسہ کے ستون ڈیڑھ سو جملہ ایک ہزار ہوئے ۔ طول کی محرابیں چالیس اور عرض کی بیس ۔ ہر ہر دو ستونوں پر محراب واقع ہے جو طرف مسجد کو قائم رکھتی ہے ۔ بیچ میں کنیسہ بنایا ہے ۔ مسجد میں داخل ہونے کے دس دروازے ھیں ۔ دو بڑے خارج مسجد حرم کے اور آٹھ چھوٹے بنا مسجد کے ایک چبوترے پر واقع ہے جو زمین سے قریب دو ھاتھ کے یا کم و بیش نشیب و فراز کے واقع ہوا ہے ۔ چاروں طرف کی دیوار بہت بلند ہے اور باھر کی طرف محرابیں دیوار میں بنائی ھیں اور چاروں طرف سڑک ہے شاید دریا کی طرف عبدالرحمن کے محل سے کسی زمانہ میں ملحق تھا ۔ اس لئے کہ وہ اپنی مسجد کے خلوہ میں جو بطور تسبیح خانہ کے بنایا تھا آیا جایا کرتا تھا ۔ اب ٹوٹ کر محل علیحدہ اور مسجد علیحدہ ہو گئی اور

اس کے محل کے گوشہ سکنۃ میں وقت فتح کا یادگار بنایا ہے جس کا مخمصہ جرنیل فاتح ہے جس کا نقشہ درج کتاب ھذا ہے۔ الغرض حرم مسجد کے دو قطعہ ھیں پہلے بطور کافی دیوار میں دو دروازے عالیشان ھیں جو بلند دروازہ ہے سیدھی جانب کو مینارہ عالیشان اذان کا کئی منزلہ ہے اب اوپر کی گمزی میں چار گھنٹے آویزاں ھیں اندر صحن وسیع میں نارنگیوں کا باغ ہے اوس میں فوارہ جاری ہے تین خلوہ ھیں اور اوسمیں اندر پہلو بنائی ھیں اس صفائی سے کہ عقل کام نہیں کرتی اور اسیطرح کا کچھ کام محراب میں ہے "۔ (ص : ۱۳۹ ۔ ۱۴۰)

اس اقتباس سے مصنف کی زبان اور انداز بیان کا بخوبی اندازہ ھو سکتا ہے۔ نواب محمد عمر علی خان نے کتاب کے آخر میں اپنی سیاحتوں کی روداد پر مشتمل تصانیف کی تفصیل لکھی ہے، ھندی، فرانسیسی، اسپانوی، انگلش اور عربی کے روز مرہ الفاظ کے مترادفات کی فہرست درج کی ہے اور ایک نظم میں مسلمانوں کے عہد میں ھسپانیہ کی ھمہ جہتی ترقی کا ذکر کرنے کے ساتھ مسلمانوں کے زوال پر رنج و غم کا اظہار کیا ہے۔

(۲) سفرنامہ اندلس

میر دبیر قاضی ولی محمد سیکرٹری روبکاری خاص فرمانروائے ریاست بھوپال وسیکرٹری اسٹیٹ کونسل دار الاقبال بھوپال نے ۱۹۲۴ء میں ,,سفرنامہ اندلس" تصنیف کیا جو جولائی ۱۹۲۷ء میں نامی پریس لکھنئو میں طبع ھوا۔ یہ سفرنامہ نایاب ہے۔ راقم الحروف نے طالب علمی کے زمانے میں اس کا ایک نسخہ اسلامیہ ھائی سکول مری روڈ راولپنڈی کی لائبریری میں دیکھا تھا اور بعض مقامات سے اقتباسات بھی نقل کئے تھے جو دستبرد زمانہ کی نذر ھو گئے۔ اب

مذکورہ سکول کی لائبریری میں جاکر اس نسخہ کو دیکھنے کی کوشش کی لیکن ناکام رہا ۔ بعد از تلاش بسیار اس کا ایک نسخہ لاھور کی ایک لائبریری سے دستیاب ھوا ۔ جس کی مدد سے یہ تعارفی نوٹ لکھا جا رہا ہے ۔

قاضی ولی محمد کو مسلم تاریخ سے خاصی دلچسپی تھی ، انھوں نے اندلس، مغرب اقصی، مصر ، خلفائے دمشق کی تاریخ پر کتابیں لکھیں ۔ ان کتابوں کے لئے ضروری لوازمہ فراھم کرنے کے لئے انھوں نے سیر وسیاحت کا شغل اختیار کیا ۔ ,,سفرنامہ اندلس،، بھی دراصل تاریخ اندلس کی تیاری کے سلسلے کی ایک کڑی تھی ۔ وہ اپنے اس سفرنامہ کا تعارف کراتے ھوئے لکھتے ھیں :

,,میں نے ۱۹۲۴ء کا سفر یورپ محض اندلس کی صحرا نوردی کے لئے کیا تھا ۔ اور حتی الامکان جزیرہ نما کے ایک بڑے حصہ میں پھر کر اپنی تاریخ اندلس کے لئے تھوڑی بہت معلومات بہم پہونچائی ۔ تیسرے سفر یورپ میں جنوبی فرانس اطالیہ و سوئٹزرلینڈ کے بعض مقامات کو دیکھ سکا ۔ ان اوراق میں سیر وتماشہ ، گھوڑ دوڑ ، قمار خانہ، مجالس رقص و سرود کے واقعات کم دکھائی دیں گے ۔ تجارتی گرم بازاری اور ایجادات و اختراعات کی موشگافی میرے دائرہ تحقیق سے باھر ھیں ۔ سیاسی جدوجہد اور کشمکش حیات کی تنقید سے تو میں نے ستیاگرہ کر رکھا ہے ۔ یہ اوراق پریشاں ساماں دلکشی سے معرا ھیں ۔ تجارت کی گرم بازاری ، مجالس کی دلفریبی ، رقص و سرود کی بزم آرائیاں دیکھنا مقصود ھو تو فرانس و لندن کے سفرنامہ کو دیکھو ۔ اندلس میں راقم الحروف نے سب سے جداگانہ راستہ اختیار کیا ہے جو بجائے تھیٹر ، باغات ، محلات ، بازارات میلہ مناظر تفریح کے ھمیشہ پورا نے کھنڈروں کی طرف جا نکلا ہے ۔ ھر شہر کے شکستہ وریختہ آثار اسلامی کا ھلکا سا نقشہ ناظرین کے سامنے پیش

کرنے کی کوشش کی ہے ۔ بعض مشہور سلاطین کے شجرہ کہیں کہیں لکھدیے گئے ھیں ۔ ھر شہر کے غیر اسلامی دلچسپ مقامات کے نام بھی درج کر دیئے ھیں تاکہ اگر کوئی سیاح ادھر جا نکلے تو ان کی سیر بھی کر سکے ۔ اندیشہ ہے کہ یہ ملغوبہ نفاست پسند طبائع کو کہیں ناپسند نہو ۔ لیکن حقیقتاً یہ اجزا صرف ان بزرگان قوم کے لئے لکھے گئے ھیں جن کے دل مسلمانان اندلس کے غم میں کبھی کبھی سوگوار ھو جاتے ھیں اور جن کا زخم جگر مسلمانوں کی داستان خونچکاں سنکر لہو دینے لگتا ہے ۔ وھی اس قصہ پارینہ کو دیکھیں گے اور ان کی ذات سے توقع ہے کہ ترتیب کتاب میں جو جدت اختیار کی گئی ہے وہ غالباً ناپسند نہ کریں گے ۔ بقول صائب :

ھر سرے دارد درین بازار سودائے دگر
ھر کسے بندد بہ آئین دگر دستار را

ان اجزا میں ھسپانیہ کے تجارتی ، تمدنی ، سیاسی حالات نہ ملیں گے ۔ کیونکہ میں نے یہ سفر محض ,,تاریخ اندلس،، کے لئے جس کی ترتیب میں ۴ ۔ ۵ سال سے مصروف ھوں کیا تھا ۔ اور جہاں کہیں گیا اسی ایک خیال ایک جستجو ایک تلاش کو لے کر گیا ۔ اس لئے اس کتاب میں بجز مرثیہ قومی کے اور کچھ نہ دکھائی دے گا ۔ دلچسپ مقامات کی سیر کے لئے کافی فرصت اور اطمینان کی ضرورت تھی ۔ ایک ملازم پیشہ غریب الدیار ناواقف سیاح چار ماہ کی قلیل مدت میں اس سے زائد اور کیا کر سکتا تھا ۔

گلشن میں پھروں کہ سیر صحرا دیکھوں
یا معدن [و] کوہ و دشت [و] دریا دیکھوں
ھر جا تری قدرت کے ھیں لاکھوں جلوے
حیراں ھوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں ،،

(ص : ۳،۲)

مستنصر حسین تارڑ نے قاضی صاحب کا تعارف کراتے ہوئے بجا طور پر لکھا ہے کہ وہ بڑے نازک مزاج، نفاست پسند بزرگ تھے ، سرکار برطانیہ کے مدح خواں اور دعاگو ، ان کا انداز بیـان بہت شگفتہ ہے ، قدم قدم پر تاریخی معلومات ان کا ساتھـ دیتی ہیں ، ان کے سفرنامے میں ہسپانیہ کے شہروں، دریاؤں ، مچھلیوں ، پھولـوں، زراعت ، موسموں ، ریل ، گداگروں ، خانقاہوں اور قمارخانوں سے لے کر چوپایوں اور موذی جانوروں تک کا ذکر ملتا ہے ،، ـ (اندلس میں اجنبی ، ص ۲۹)

قاضی ولی محمد صرف سیاح ہی نہیں مورخ اور ادیب بھی ہیں اس لئـے ان کا سفـرنامہ ان کی وسیع تاریخی معلومات اور ذوق ادب کا آئینہ دار ہے ـ وہ مختلف مورخین کی تصانیف سے فائدہ اٹھانے کے ساتھـ ساتھـ موقع و محل کے مطابق اشعار کو بھی بروئے کار لاتے ہیں ـ سپین کے اردو سفرناموں میں یہ پہلا سفرنامہ ہے ـ جس میں مصنف نے علامہ اقبال اور مولانا حالی کے بعض اشعار بھی درج کئے ہیں ـ مسلمانوں کی عظمت رفتہ کا نقش ان کے دل و ودماغ پر ثبت ہے اور اس کے اظہار کا وہ کوئی موقع ہاتھـ سے جانے نہیں دیتے ـ جب وہ مسلم آثار کا تعارف کراتے ہیں تو ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے جسے وہ پرشکوہ اسلوب بیان سے قاری پر بھی طاری کرنے کی کوشش کرتے ہیں ـ جامع قرطبہ کی زیارت کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچتے ہیں :

,,جب مسجد کی میلی کائیدار دیوار دیکھی تو تعجب ہوا کہ اس مسجد کی تعریف میں المقری نے ایک کتاب کی کتاب کیوں لکھـ ماری ـ اس کی بھدی موٹی بدنما دیواروں سے تو جامع مسجد دھلی کی دیواریں ہزار درجہ شاندار و خوشنما ہیں ـ اس خیال کو لے کر

میں چور دروازہ سے اندر داخل ہوا ۔ لیکن کہہ نہیں سکتا کہ اندر پہونچکر میری کیا حالت ہو گئی ۔ قلب ساکت ہو گیا ۔ دماغ بے حس ہو گیا ۔ آنکھیں پتھرا گئیں اور اگر ایک ستون کا سہارا نہ لئے ہوتا تو یقیناً لڑکھڑا گیا ہوتا ۔ آخر ایک دو منٹ بعد جب ہوش و حواس ٹھکانے ہوئے تو کہنے لگا کہ یہ سحر ہے یا دھوکہ ہے ۔ مسجد ہے یا طلسم ہے ۔ میں قرطبہ کے خانہ خدا میں ہوں یا الہ دین کے چراغ طلسمی کے اثر میں ہوں ۔ مصرع

آنچہ می بینم بہ بیداریست یارب یا بخواب

کا مصرع زمانہ طالبعلمی سے ازبر تھا لیکن اس کی صحیح تفسیر آج اس جامع اموی میں دیکھنے میں آئی ۔ اس کے نقش ونگار اس کے مصفےٰ ومجلےٰ ستون اس کی دو منزلہ محراب اسکا صدر دروازہ اس کی جالیدار کھڑکیاں اسکی منبت کاری و آرائش ، اسکی ضیاء نورانی ، اس کی نقش کوفی ، غرضیکہ ع

کرشمہ دامن دل میکشد جا اینہا (کذا) ست

ایک لق و دق مسقف میدان میں ہزارہا مصفے ستون کا باغ سامنے کھڑا تھا جس کی صفائی اور جلا خدا جانے کتنے متبرک ہاتھوں نے کی ہوگی ، ہر ستون بہت ہی سبک اور غالباً دھلی کے آہنی لاٹ پتھورا سے زیادہ موٹا نہوگا ۔ صفائی کا یہ عالم تھا کہ اپنا عکس ہر ستون میں دیکھ لو ۔ محراب پر سرخ و سفید پتھر کی ڈاٹ ہے ۔ تاج اور پایہ بیل بوٹہ سے آراستہ ہیں ۔ اجارہ معمولی ہے لیکن کارنس کا حاشیہ اسقدر دیدہ زیب ہے کہ دھلی کا دیوان خاص اسپر تصدق کر دیا جاوے تو اسکی مٹی ٹھکانے لگ جائے ۔ میں نے قبۃ الصخریٰ کے علاوہ اور کسی مسجد کی یہ آرائش نہیں دیکھی ۔ اگرچہ مقابلہ نازیبا ہے لیکن میری آنکھوں کے سامنے کلیسہ ہائے وینس وفلارنس کی

بھی وقعت نہیں ۔ ہندوستان درکنار مصر و شام وفلسطین وقسطنطنیہ کی جسقدر مساجد میں نے دیکھیں انمیں سے کوئی بھی اسکی ٹکر کی نہیں ہے۔ قلعہ دھلی میں ,,باب العدل ،، نامی ایک مجلّی گولمبر کو میں عجوبہ روزگار سمجھے ہوئے تھا لیکن یہاں تو متعدد کھڑکیوں پر ویسے ھی مجلّے ومصفّے سنگ مرمر کی گولمبر لگے ہوئے ھیں جن میں سے انسان کا عکس آرپار صاف دکھائی دیتا ہے ۔ لیکن عقل انسانی دنگ رہ جاتی ہے جب مزور کلیسا ایک پرانی وضع کی مہتاب کافوری روشن کرکے منبر و محراب الحکم کو دکھلاتا ہے ۔ اللہ اللہ جن لوگوں نے یہ منبر بنایا وہ اگر ملیں تو میں ان کے ھاتھ چوموں ۔ کسقدر صناعی اور چابکدستی کیگئی ہے کہ زبان پر احسنت ومرحبا جاری ہے۔ یوں تو تمام ایوان گنگا جمنی کام سے جگمگا رہا ہے لیکن محراب امام واقعی مہبط اجلال معلوم ہوتی ہے اور منبر الحکم تو سرتاج معبد ہے۔ محراب شمع کی روشنی میں جواھر خانہ معلوم ہوتی تھی جس کی تڑپ آنکھوں کو چکا چوند کر رھی تھی ۔ کبھی کہتا تھا کہ پھول سب سے زیادہ آبدار ھیں لیکن حاشیہ دیکھ کر معاً رائے پلٹ جاتی تھی کہ پھول سے زیادہ منور تو حاشیہ ہے پھر خط کوفی کی جدول اپنی طرف متوجہ کرکے کہتی تھی کہ بہترین صنعت دیکھنا ہو تو مجھ کو دیکھو ۔ اجارہ لاجواب ، قلب لاثانی اور چھت بے نظیر ۔ غرضیکہ میں مبہوت تھا اور اسقدر کھویا ہوا تھا کہ مہتمم صاحب کی ثنا خوانی بھی نہ سن سکا ۔ خدا جانے وہ کیا کہہ رھے تھے ۔ میرا دل کہیں تھا ، دماغ کہیں تھا ۔ آنکھیں کہیں تھیں ۔ جسم بے حس و حرکت تھا اور غالباً مجھ میں اور بت میں اسوقت کوئی فرق نہ تھا ۔ آخر جب شمع گل ہو گئی تو یہ طلسمی اثر دور ہوا ،، ۔ (ص : ۸۰ ـ ۸۱)

قاضی صاحب نے مسجد قرطبہ میں امیر المومنین حضرت عثمان غنیؓ کے مصحف کی موجودگی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے :

,,اسی متبرک مقام میں وہ کلام مجید رکھا ہوا تھا ۔ جس کی تلاوت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وقت شہادت کر رہے تھے اور جسپر آپ کے خون کے قطرے پڑے ہوئے تھے ۔ کلام مجید کے لئے عود کی مرصع رحل طیار کرائی گئی تھی ۔ چار نمازی آدمی اس کے اٹھانے پر مامور تھے اور ایک پہرہ حفاظت کے لئے مامور تھا " ۔ (ص : ۱۱۴)

اس اطلاع کی تصدیق کسی معتبر ذریعے سے نہیں ہو سکی ۔

امیر المؤمنین حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے جو مصاحف مختلف دیار و امصار میں ارسال کئے تھے مختلف روایات کی رو سے ان کی تعداد سات تھی ان میں سے صرف تین مصحف محفوظ ہیں ۔ ایک تاشقند (روس) میں دوسرا استنبول (ترکی) اور تیسرا انڈیا آفس لائبریری (لندن) میں (خطبات بہاولپور، ص:۲٦) ممکن ہے کہ کوئی مصحف کسی طرح اندلس میں بھی پہنچا ہو لیکن تحقیقی طور پر کچھ کہنا مشکل ہے ۔

مسجد قرطبہ میں جو عمارتی لکڑی استعمال کی گئی تھی اس کی پائیداری کے حوالے سے مصنف نے مسلمانوں کی صنعتی ترقی کی طرف یوں اشارہ کیا ہے :

مسجد میں جسقدر لکڑی لگی ہے وہ سب صحرائے قرطبہ سے جمع کی گئی تھی اور اسکو مصالحہ لگا کر اسقدر مضبوط و مستحکم کر دیا تھا کہ کامل بارہ صدیاں گذرنے پر بھی نہ کہیں گھن لگا ہے اور نہ کہیں خم آیا ہے البتہ بعض تختہ جو میرے زمانہ سیاحت میں المنصور کے حصہ کی طرف پڑے ہوئے تھے انکی لکڑی پھس پھسی ہو گئی تھی اور میں نے جسوقت ایک ٹکڑہ ہاتھ سے توڑا تو یہ

آسانی ٹوٹ گیا ۔ ممکن ہے کہ یہ ٹکڑہ نصاری کے عہد کا ہو کیونکہ بعد اخراج مسلماناں اسکی بیشتر لکڑی نصارے نے نکالکر فروخت کر ڈالی تھی اور ستار سارنگی کے ڈھانچہ بنوائے گئے ۔ (ص : ۱۱۴)

قاضی ولی محمد بعض اوقات تاریخی واقعات کا تحقیقی جائزہ بھی لیتے ھیں اور مدت دراز سے لوگوں میں پھیلی ھوئی غلط فہمیوں کو دور کرنے کی کوشش بھی کرتے ھیں ۔ مثلاً ,,وادی برباط " کے زیر عنوان بیان کرتے ھیں کہ طارق اور لذریک (راڈرک) کے درمیان جو فیصلہ کن معرکہ ھوا تھا وہ جھیل لاجنڈا (الجیرہ) کے قریب رود برباط کے ساحل پر ھوا تھا نہ کہ وادی لد (لت) پر جیسا کہ بعض تاریخی کتابوں میں بیان کیا گیا ہے ۔ (ص : ۳۳) اس طرح انھوں نے قصر الحمرا کے ایوان بنی سراج کے بارے میں اس روایت کی تردید کی ہے کہ اس کے حوض میں جو چند دھبے سرخ رنگ کے دکھائی دیتے ھیں وہ بنی سراج کے ان تیس سرداروں کے خون کے باقی ماندہ دھبے ھیں جن کو ابو عبداللہ نے قتل کروا دیا تھا ۔ (ص : ۲۳۱)

مسلمانوں کے تمدنی اثرات کا ذکر کرتے ھوئے قاضی ولی محمد اپنا مشاھدہ بیان کرتے ھیں ,, [یورپ کے دیگر ممالک کے باشندوں کے برعکس] اسپین میں البتہ مسلمانوں کے ھشت صد سالہ اختلاط کے باعث مہمان نوازی کی عادت ابھی تک باقی ہے اور خواہ تم سے اسپینی نے بات چیت بھی نہ کی ھو لیکن جس وقت وہ اپنے کاغذی ڈبہ یا رومال سے ناشتہ کھو لیگا تو ضرور پوچھے گا کہ ماحضر تناول فرمائیے ۔ جسکے جواب میں دوسرا جواب دے گا شکریہ آپ سیر ھوں،، (ص : ۱۰)

قاضی صاحب کا یہ بیان پڑھ کر علامہ قابل کی مشہور نظم ,,مسجد قرطبہ " کا یہ شعر بے اختیار یاد آ جاتا ہے جس میں انھوں نے

سپین کے باشندوں پر عرب مسلمانوں کے خوش گوار تہذیبی ومجلسی اثرات کا ذکر کیا ہے :

جن کے لہو کے طفیل آج بھی ہیں اندلسی
خوش دل و گرم اختلاط سادہ و روشن جبیں
(کلیات اقبال اردو ، ص : ۳۹۰)

فاضل مصنف نے سپین کی معاشرتی زندگی پر مسلمانوں کے اثرات کے بارے میں ایک دلچسپ واقعہ یوں بیان کیا ہے :

,,اتفاق سے میں جمعرات کے دن بازار کانتی توسیان میں چکر لگا رہا تھا کہ ایک مجمع کے قریب سے گذر ہوا ۔ میرے رہبر نے بتلایا کہ یہ مجمع اسلامی عدل گستری کی تقلید میں اب تک زمانہ دراز سے چلا آ رہا ہے۔ اسلامی نام سنتے ہی میں فوراً رکا، دیکھا کہ سڑک کے ایک جانب پٹری کا ایک حصہ آہنی جنگلہ سے محصور کرکے اسمیں آہنی کرسیاں بچھالی گئی ہیں ۔ جن پر چند اصحاب متمکن ہیں ۔ معلوم ہوا کہ یہ لوگ پنچ ہیں اور مجلس کا نام ,,پنچایت آبیانہ،، ہے۔ آبیانہ کی محصول وشکایات وانتظامات کے متعلق یہ پنچایت ہر جمعرات کو منعقد ہوتی ہے کیونکہ عہد اسلام میں یہ مجلس پنجشنبہ ہی کو ہوتی تھی ۔ اور اسی رسم و رواج کے مطابق تمام کاروائی زبانی ہوتی ہے۔ فریقین اپنے اپنے عذرات بالمشافہ بیان کرتے ہیں جن کو سنکر پنچایت سے اسیوقت زبانی فیصلہ ہو جاتا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ میرا پانی فلاں کاشتکار نے روک لیا ۔ کوئی کہتا ہے کہ مجھ پر محصول بہت زیادہ قائم کیا گیا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ گرداور نے میرا قلابہ بند کر دیا ۔ پنچان عدالت اسی وقت زبانی تحقیقات کرکے فیصلہ سنا دیتے ہیں ۔ اگر کسی پر جرمانہ ہوا تو اسیوقت نقد جرمانہ داخل کرنا ہوتا ہے۔ جس کی کوئی رسید پنچایت سے نہیں دیجاتی ۔

اگر کسی فریق کو ہرجانہ دلایا جاتا ہے تو بلا اخذ رسید اسیوقت دلوا دیا جاتا ہے۔ غرضیکہ اسیوقت جملہ معاملات اس عجلت و آسانی سے طے ہو جاتے ہیں کہ دیگر متمدن و قانون دان ممالک میں ویسے ہی مقدمات ٦ ـ ٦ ماہ تک فیصل نہیں ہوتے ـ گو اسلامی حکومت ۱۲۳۰ء میں اٹھ گئی جبکہ آخر ماہ ستمبر میں القلعہ کی برج علی پر علم تثلیث نصب ہو گیا تھا ـ لیکن یہ اسلامی عدالت آجتک قائم ہے۔ ـ (ص ۱۹۸ ـ ۱۹۹)

,,سفرنامہ اندلس،، میں صرف واقعات ومشاہدات ہی کا بیان نہیں ، مختلف مسلمان حکمران خاندانوں کے شجروں اور عمارتوں وغیرہ کی تصاویر اور مسکوکات کے نقشے بھی دیئے گئے ہیں۔

(۳) علامہ اقبال کا سفر اندلس

علامہ اقبال نے ۱۹۳۳ء میں سپین کا سفر کیا ـ انہوں نے اگرچہ کوئی باقاعدہ سفرنامہ نہیں لکھا لیکن ان کے خطوط، بیانات، تقاریر اور ملفوظات وغیرہ میں اس سفر کی تفصیل بکھری پڑی تھی جس کو ترتیب دے کر راقم الحروف نے ,,تیسری گول میز کانفرنس اور اقبال،، کے عنوان سے ایک مقالہ کی صورت میں ترتیب دیا ـ جو سہ ماہی مجلہ ,,اقبال ریویو،، لاہور، جولائی ـ اکتوبر ۱۹۷۷ء (ص : ۹۷ـ ۱۲۵) میں شائع ہوا تھا ـ اس مقالہ کے متعلقہ حصے کا خلاصہ حسب ذیل ہے :

علامہ اقبال تیسری گول میز کانفرنس میں شرکت کے لئے روانہ ہوئے تو یہ ارادہ کر چکے تھے کہ کانفرنس سے فراغت پا کر سپین جائیں گے ـحسن اتفاق سے لندن میں انہیں سپین جاکر لیکچر دینے کی دعوت ملی چونکہ اس سفر کا ارادہ وہ پہلے ہی کر چکے تھے اس لئے انہوں نے بڑے شوق سے دعوت قبول کر لی ـ جنوری کے آغاز میں

انھوں نے سپین کے لئے رخت سفر باندھا، ایک انگریز لڑکی بطور سیکرٹری ان کے ہمراہ تھی جسے اھل سپین نے غلطی سے ان کی صاحبزادی سمجھا ۔ اقبال کے کسی خط یا یادداشت سے ظاھر نہیں ھوتا کہ وہ کس تاریخ کو وھاں پہنچے ۔ قیاس یہ ہے کہ وہ ۵ یا ٦ جنوری ۱۹۳۳ء کو میڈرڈ پہنچے ھوں گے ۔ میڈرڈ میں انھوں نے سپین کی بعض اھم شخصیتوں سے ملاقات کی جن میں وھاں کے وزیر تعلیم اور پروفیسر آسن (Asin Palacios) شامل تھے ۔ پروفیسر آسن کو عرب تہذیب سے خاص دلچسپی تھی اور انھوں نے مشہور اطالوی شاعر دانتے کی کتاب ,,ڈیوائن کامیڈی،، کے حوالے سے لکھی گئی کتاب "Islam and Divine Comedy" کی وجہ سے خاص شہرت حاصل کی تھی۔

اسی شام میڈرڈ یونیورسٹی کی فلسفہ و ادب کی فیکلٹی کے زیر اھتمام اور پروفیسر آسن کی زیر صدارت ایک علمی مجلس منعقد ھوئی جس میں اقبال کو بطور مہمان مقرر مدعو کیا گیا ۔ صدر مجلس نے علامہ اقبال کا پرجوش انداز میں خیر مقدم کیا اور اقبال کا تعارف کراتے ھوئے انھیں ھندوستان کا عظیم فلسفی، شاعر ، سیاست دان اور ماھر قانون قرار دیا ۔ علامہ اقبال نے اس مجلس میں "Spain and the Intellectual World of Islam" کے موضوع پر ایک پُر مغز خطبہ دیا جس میں انھوں نے مسلم سپین کے تمدن فلسفہ اور تصوف کے مختلف پہلوؤں کی وضاحت کی اور اھل سپین کو دعوت دی کہ وہ ھر قسم کے تعصبات اور غلط قسم کے پروپیگنڈے سے متأثر نہ ھوں اور براہ راست مسلم تہذیب اور تاریخ کا مطالعہ کریں ۔ علامہ اقبال کے خطبہ کو بہت سراھا گیا اور اگلے روز اس اجلاس کی روداد سپینی اخبارات خصوصاً EL — Debate میں شائع ھوئی ۔

میڈرڈ سے کوئی ۵۸ کلومیٹر کے فاصلے پر ایک قصبہ اسکوریل (Escorial) نامی ہے جہاں شاہ فلپ دوم (۱۵۲۷ء ۔ ۱۵۹۸ء) کے زمانے

کی ایک محل نما خانقاہ ہے۔ جہاں اس بادشاہ نے زندگی کے آخری ایام گزارے تھے ۔ اس میں گرجا ۔ شاھی قبرستان اور ایک بڑی لائبریری بھی واقع ہے۔ لائبریری میں چالیس ہزار کے لگ بھگ نادر مطبوعات اور دو ہزار کے قریب عربی مخطوطات کا بیش قیمت ذخیرہ ہے جو دور احتساب کی تباہ کاریوں سے بچ گیا ہے ۔ بعض عربی مخطوطات جانوروں کی کھالوں اور ہرن کی جھلیوں پر ھیں کتابوں کی جلدیں عمدہ چمڑے کی ھیں جن پر سونے کے پانی کا خوبصورت کام کیا گیا ہے۔ علامہ اقبال نے یہ لائبریری دیکھی اور اس کے بارے میں ایک موقع پر فرمایا :

,,اسکوریل لائبریری بڑی عظیم الشان لائبریری ہے۔ افسوس یہ ہے کہ عربوں کے زمانے کی قلمی تحریروں کا ذخیرہ متعصبین نے پہلے غارت کر دیا تھا ۔ اب تھوڑا ذخیرہ رہ گیا ہے جس میں زیادہ تر مولانا جامی اور حضرت حافظ کی قلمی تحریریں ھیں " ۔

اس کے بعد اقبال غرناطہ گئے اور غرناطہ میں قصر الحمراء کی سیر کی جس کے بارے میں اپنے تاثرات بیان کرتے ہوئے اقبال نے ایک موقع پر کہا :

,,اندلس کی بعض عمارتوں میں بھی اسلامی فن تعمیر کی اس خاص کیفیت (قوت وھیبت) کی جھلک نظر آتی ہے لیکن جوں جوں قومی زندگی کے قویٰ شل ہوتے گئے تعمیرات کے اسلامی انداز میں ضعف آتا گیا ۔ وھاں کی تین عمارتوں میں مجھے ایک خاص فرق نظر آیا ۔ قصر زھرا دیووں کا کارنامہ معلوم ہوتا ہے ، مسجد قرطبہ مہذب دیووں کا مگر الحمرا محض مہذب انسانوں کا " ۔ پھر ایک تبسم کے ساتھ ڈاکٹر صاحب نے سلسلہ کلام کو جاری رکھتے ہوئے کہا : ,, میں الحمراء کے ایوانوں میں جابجا گھومتا پھرا مگر جدھر نظر اٹھتی، دیوار

پر ,,هو الغالب ،، لکھا هوا نظر آتا تھا ۔ میں نے دل میں کہا یہاں تو هر طرف خدا غالب ہے ، کہیں انسان نظر آئے تو بات بھی هو ،، ۔

غرناطه میں انھیں یه بتایا گیا که سپین کی نئی حکومت غرناطه کو دنیائے اسلام کے لئے ایک قابل دید مسلم تہذیبی مرکز بنانا چاهتی ہے ۔

اس کے بعد اقبال نے قرطبه کا رخ کیا جہاں انھوں نے جابجا مسلم آثار دیکھے اور خاص طور پر مسجد قرطبه کی زیارت کی ۔ مسلم اندلس کے حکمرانوں کے جمالیاتی اور تعمیراتی ذوق کی آئینه دار اس عظیم الشان مسجد سے اقبال بے حد متأثر هوئے ۔ انھوں نے مسجد کے نگرانوں سے خاص اجازت لے کر مسجد میں اذان دی اور اس میں نماز ادا کی ۔ مسجد کو کلیسا کی صورت میں تبدیل کرنے کے کئی سو سال بعد علامه اقبال پہلے خوش قسمت مسلمان تھے جنھوں نے یہاں نماز ادا کی ۔ علامه اقبال نے اس مسجد سے جو اثر لیا وه ان کی نظم ,,مسجد قرطبه ،، سے عیاں ہے جو بجا طور پر ان کے فکر وفن کا شاهکار خیال کی جاتی ہے ۔ قرطبه سے اقبال نے اپنے فرزند جاوید اقبال کو تصویری کارڈ بھی ارسال کئے اور انھیں لکھا ,,میں خدا کا شکر گزار هوں که میں اس مسجد کے دیکھنے کے لئے زنده رها ۔ یه مسجد تمام دنیا کی مساجد سے بہتر ہے ۔ خدا کرے تم جوان هو کر اس عمارت کے انوار سے اپنی آنکھیں روشن کرو ،، ۔ مولانا غلام رسول مہر، مدیر انقلاب لاهور کے نام ایک خط میں لکھا ، ,,مرنے سے پہلے قرطبه ضرور دیکھو،، ۔

لاهور واپس پہنچے تو انھوں نے ملاقات کے لئے آنے والوں سے مسجد قرطبه کی شان و شوکت کا ذکر کرتے هوئے کہا :

,,میری رائے میں آج تک اس سے زیاده خوب صورت اور شان دار مسجد روئے زمین پر تعمیر نہیں هوئی ۔ عیسائیوں نے بعد فتح قرطبه

اس مسجد میں میں جابجا چھوٹے چھوٹے گرجے بنا دیئے تھے جنھیں اب صاف کرکے مسجد کو اصل حالت میں لانے کی تجویزیں کی جا رھی ھیں ۔ میں نے ناظم آثار قدیمہ کی معیت میں جا کر بہ اجازت خاص اس مسجد میں نماز ادا کی ۔ قرطبہ پر عیسائیوں کے تسلط کے بعد جسے کم و بیش ساڑھے چار سو برس گزر چکے ھیں اس اسلامی عبادت گاہ میں یہ پہلی اسلامی نماز تھی ،، ۔

علامہ اقبال تقریباً تین ھفتے کی سیاحت کے بعد ۲۶ جنوری ۱۹۳۳ء کو واپس لندن پہنچے اور وھاں سے ۱۰ فروری کو وینس کے ایک جہاز ,,کانٹے وردی،، میں سوار ھو کر ھندوستان روانہ ھو گئے ، ۲۲ فروری کو بمبئی پہنچے اور بمبئی میں اخبار ,,خلافت،، کے نامہ نگار نے اقبال سے ان کی سیاحت سپین کے بارے میں دریافت کیا تو اقبال نے کہا :

,,مجھے لندن میں اسپین جاکر لیکچر دینے کی دعوت ملی تھی ۔ اسلام کے اس مرکز کو دیکھنے کا مجھے پہلے ھی شوق تھا ۔ اس لئے میں نے دعوت قبول کر لی ۔ مجھے وھاں پہنچنے سے پہلے تقریر کے موضوع کا کوئی علم نہ تھا ۔ البتہ خواھش یہ تھی کہ ایسا مضمون ھو جس پر تقریر کرتے ھوئے میں اسلامی ثقافت وتمدن اور اسلامی فلسفہ پر کچھ کہہ سکوں ۔ وھاں پہنچنے پر پروفیسر آسن کو انتخاب مضمون کا اختیار دے دیا ۔ اتفاق سے انھوں نے وھی مضمون تجویز کیا جس کا میں خود خواھش مند تھا ۔ ، یعنی ,,سپین اور فلسفہ اسلام،، میرا لیکچر میڈرڈ کی جدید یونیورسٹی میں ایک گھنٹہ جاری رھا، جس میں میں نے اسپین کے مسلمانوں کے تمدن فلسفہ اور ان کی تہذیب و روحانیت کے مختلف پہلوؤں کی تشریح و تفسیر بیان کرتے ھوئے حاضرین سے اپیل کی کہ سنی سنائی باتوں پر یقین نہ کریں، نہ

عیسائیوں کے غلط پروپیگنڈے سے متأثر ہوں، بلکہ عربوں کی تاریخ کا مطالعہ کریں "۔

"میں نے موقع کو غنیمت سمجھ کر ملک کے متعدد مشہور تاریخی مقامات و آثار کا بہ نظر غائر معائنہ کیا۔ میں اپنے تاثرات کا اظہار الفاظ میں نہیں کرسکتا۔ بس یوں سمجھ لیجئے کہ جس طرح یہودیوں کے لئے ارض موعودہ فلسطین ہے، اسی طرح عربوں کے لئے غالباً اسپین کی سرزمین موعودہ ہے۔ اس قدر خوب صورت، اس درجہ پر فضا اور ایسا آرام دہ ملک۔

"پروفیسر آسن عربی زبان کے پروفیسر اور بہت ہی خوش خلق و ملنسار آدمی ہیں۔ ان کا ایک شاگرد قرطبہ کی قدیم یونیورسٹی کا پرنسپل ہے۔ اس یونیورسٹی میں عربی تعلیم پر بہت زیادہ زور دیا جا رہا ہے "۔

ایک سوال کے جواب میں اقبال نے فرمایا :

"اس وقت تو وہاں کوئی مسلمان نہیں۔ لیکن تعلیم یافتہ طبقہ اب عربی النسل ہونے پر فخر کا اظہار کرنے لگا ہے اور ہر اچھی چیز کو "مورش" کہہ دیتا ہے (یعنی اسلامی)۔ ان میں اسلام کی طرف سے بغض و عناد کم ہوتا جا رہا ہے اور وہ اسلامی تہذیب و تمدن اور فلسفہ مذہب کا مطالعہ بڑے ذوق سے کرتے ہیں۔ اسپین میں اکثریت رومن کیتھولک کی ہے لیکن مذہب روز بروز کمزور ہوتا جا رہا ہے۔ گرجے آباد تو ہیں مگر ان میں غریب طبقہ جاتا ہے۔ یہی حالت تقریباً ہر یورپین ملک کی ہے "۔

عربوں کی عمارتوں کے متعلق علامہ نے فرمایا :

"جن مسجدوں کو گرجاؤں میں تبدیل کر دیا گیا تھا وہ اب تک مسجدوں کی شکل میں نہیں آئیں۔ البتہ چند مسجدیں واگذاشت ہو

گئی ھیں اور باقی کے متعلق امید ہے کہ تعصب وعناد کی کمی ھونے پر واگذاشت ھو جائیں گی ۔ محکمہ آثار قدیمہ نے عربوں کی عمارتیں کئی جگہ کھود کر نکالی ھیں ۔ کارڈوا (قرطبہ) میں کھدائی کا کام جاری ہے۔ خلفا کے زمانے کی چند عمارتیں نکل آئی ھیں ۔ ان کے بعض حصوں میں ٹوٹی ھوئی تصویریں بھی نظر آتی ھیں " ۔

ایک سوال کے جواب میں علامہ نے فرمایا :

"عربوں کا تمدن اسپین سے بالکل فنا نہیں ھوا ہے ۔ چنانچہ شہر طلیطلہ عربی تمدن کی زندہ مثال ہے ۔ قدرتی مناظر وحسن کے علاوہ یہاں کی معاشرت بھی آرام دہ اور دل کش ہے۔ وھاں پہنچ کر میں نے محسوس ھی نہیں کیا کہ اجنبی ملک میں ھوں ۔ یہاں کے بازار، مکانات بالکل مشرقی نمونہ کے ھیں اور غذا بھی وھی ہے جو ھم لوگوں کو مرغوب ہے۔ چنانچہ پلاؤ کا مجھے وھی مزا آیا جو لاھور میں آتا ہے۔ لوگ خلیق اور ملنسار ھیں ۔ ان کے رھنے سہنے کا طریقہ بھی مشرقی ہے۔ یہاں ایک چھوٹی سی بالکل سادہ وضع کی مسجد ہے جو اپنی ابتدائی حالت میں اب تک قائم ہے۔ غالباً کسی مسلمان سپاھی نے فتح طلیطلہ کے بعد اسے بنوایا تھا ۔ موجودہ حکومت نے اسے آثار قدیمہ میں لے کر محفوظ کر دیا ہے ۔ اسپین کی زبان میں اب تک عربی الفاظ بہت زیادہ استعمال ھوتے ھیں ۔ ال تو اکثر الفاظ میں ملا ھوتا ہے " ۔

حکومت کے متعلق ایک سوال کے جواب میں فرمایا :

"جمہوریت سے تمام لوگ خوش ھیں ۔ معدودے چند ھوں گے جو شہنشاھیت پسند ھیں ۔ موجودہ حکومت کوشش کر رھی ہے کہ قدرتی وسائل اور انعام و اکرام سے استفادہ کرے ۔ چنانچہ کان کنی اور معدنیات کے متعلق اب تک جو معلومات بہم ھو سکی ھیں وہ سب

وھی ھیں جن کی تحقیقات عربوں نے کی تھی ۔ ان کاوشوں کا نفع موجودہ نسل اٹھانا چاھتی ہے ۔

ڈاکٹر صاحب نے آخر میں مشورہ دیا کہ ,,ضرورت ہے کہ یہاں سے دو چار ایسے تعلیم یافتہ طلبا اسپین بھیجے جائیں جو فلسفہ الھیات، عربی تمدن، اسلامی تاریخ اور مذھب سے اچھی طرح واقف ھوں تاکہ وہ اسلام کا صحیح نمونہ اھل ھسپانیہ کو پیش کر سکیں " ۔

۲۶ فروری ۱۹۳۳ء کو اقبال نے سفر یورپ اور سیاحت اندلس کے تاثرات بیان کرتے ھوئے کہا :

,,یورپ کے مختلف ممالک میں پھرنے اور موجودہ زمانے کی اخلاقی ابتری دیکھنے کے بعد میں یقین کے ساتھ کہہ سکتا ھوں کہ اسلام کو بحیثیت دین قبولیت پانے کا یہ بہترین وقت ہے ۔ آج لاکھوں ھی نہیں بلکہ کروڑوں یورپ کے مرد اور عورتیں اسلام اور اس کے کلچر کی تعلیمات سمجھنے کے خواھاں ھیں ۔ نوجوان مسلم جس قدر جلد اس حقیقت کو سمجھ لیں اتنا ھی اچھا ہے ۔ یورپ کے مسلمان اب اس حقیقت کو سمجھتے ھیں ۔ وہ آئندہ اگست میں جنیوا میں ایک کانفرنس منعقد کر رھے ھیں جس کے اغراض و مقاصد محض معاشرت اور کلچر تک ھی محدود ھوں گے ۔ مجھے امید ہے کہ ایشیا اور افریقہ کے مسلمان کانفرنس کو کامیاب بنانے میں دلی تعاون پیش کریں گے " ۔

,,میں نے قرطبہ ، غرناطہ، اشبیلیہ ، طلیطلہ اور میڈرڈ کی سیاحت کی اور قرطبہ کی تاریخی مسجد اور غرناطہ کے قصر الحمراء کے علاوہ میں نے مدینۃ الزھرا کے کھنڈر بھی دیکھے ۔ یہ مشہور عالم قصر عبدالرحمن اول نے اپنی چہیتی بیوی زھرا کے لئے ایک پہاڑ پر تعمیر کرایا تھا ۔ آج کل یہاں کھدائی کا کام جاری ہے ۔ بارھویں

صدی عیسوی میں ایک مسلمان موجد نے سب سے پہلے اس جگہ پر ایک ہوائی جہاز کا مظاہرہ کیا تھا ۔ وہاں پر منجملہ اور لوگوں کے وزیر تعلیم ہسپانیہ سے بھی ملاقات ہوئی ۔ ۔ یہ صاحب ہسپانیہ کی موجودہ روایات کے خلاف بہت خلیق اور روشن خیال ہیں ۔ ان کے علاوہ ,,ڈوائن کومیڈی اینڈ اسلام ،، (Divine Comedy and Islam) کے شہرہ آفاق مصنف پروفیسر آسن سے بھی ملنے کا اتفاق ہوا ۔ وزیر تعلیم کی زیر صدارت غرناطہ کی یونیورسٹی میں شعبہ عربیہ میں کافی توسیع ہو رہی ہے ۔ اس شعبہ کا صدر پروفیسر آسن کا ایک شاگرد ہے ۔ جنوبی اسپین میں رہنے والے اپنے موروی الاصل ہونے اور اسلامی تہذیب کی عظیم الشان یادگاروں کو اپنے لئے باعث افتخار سمجھتے ہیں ۔ اب پھر ملک میں بیداری کی ایک لہر دوڑ رہی ہے اور تعلیم کی ترقی کے ساتھ اسے اور بھی فروغ حاصل ہوگا ۔ لوتھر کی اصلاحی تحریک ابھی تک ختم نہیں ہوئی بلکہ یورپ کے مختلف ممالک میں اب بھی یہ تحریک بہت خاموشی سے اپنا کام کر رہی ہے اور بالخصوص ہسپانیہ میں پادریوں کا اثر آہستہ آہستہ کم ہو رہا ہے ،، ۔

بمبئی سے علامہ اقبال فرنٹیئر میل پر سوار ہوکر لاہور پہنچے جہاں معززین لاہور اور اقبال کے احباب نے ان کا پرجوش استقبال کیا ۔

علامہ اقبال کی تین ہفتے کی یہ سیاحت اندلس اس اعتبار سے بہت اہمیت رکھتی ہے کہ اس نے انہیں ایک نئے تخلیقی جوش سے سرشار کیا جس کا مؤثر اظہار ان کی متعدد نظموں کی صورت میں ہوا ۔ اقبال کی ان تخلیقات سے برصغیر کے مسلمانوں میں اپنی گزشتہ عظمت کا احساس، دور غلامی میں زبوں حالی کا شعور اور روشن

مستقبل کے لئے جدوجہد کرنے کا عزم وحوصلہ پیدا ہوا ۔ خصوصاً ,,مسجد قرطبہ،، پر اقبال کی شاھکار نظم نے لوگوں کے دل و دماغ کو جس طرح متأثر کیا اس کی مثال بہت کم ملتی ہے ۔ اس نظم میں اقبال نے اسلامی تہذیب کی خصوصیات اور اس کے اندلس پر اثرات کی وضاحت کے لئے نہایت دلکش اور موثر پیرایہ بیان اختیار کیا ہے ۔ نظم کے بہت سے الفاظ، تراکیب لفظی، مصاریع اور اشعار مسلمان اھل قلم کے لئے اظہار کے خوبصورت سانچوں کی صورت اختیار کرگئے ھیں، اقبال کے بعد برصغیر کے کسی مسلمان سیاح اندلس کا سفرنامہ اٹھا کر دیکھیں اس پر کسی نہ کسی طرح اقبال کے عمومی اور ان کی نظم ,,مسجد قرطبہ،، کے خصوصی اثرات نمایاں دکھائی دیں گے ۔

(۴) اندلس میں اجنبی

مستنصر حسین تارڑ کا یہ سفرنامہ سپین ستمبر ۱۹۸۶ء میں التحریر لاھور سے پہلی بار شائع ہوا ۔۔ ۳۵۰ صفحات پر مشتمل اس کتاب میں مصنف نے تورز، سان سبستیان، قشتالیہ ، ثوریا، مدینہ سالم، مجریط (میڈرڈ)، قرطبہ، اشبیلیہ، قرمونہ ، غرناطہ اور مرسیہ وغیرہ کی سیاحت کی روداد بیان کی ہے ۔ فاضل مصنف کی خواھش تھی کہ انھوں نے جہاں یورپ کے بہت سے علاقوں کی سیاحت کی ہے وھاں مسلمان ھونے کے ناطے اندلس کی سیر بھی کرے ۔ یہی وجہ ہے کہ سیاحت یورپ کے دوران بھی اندلس کی یاد ان کے دل میں چٹکیاں لیتی رھتی تھی ۔ مصنف کے لئے اندلس کوئی اجنبی ملک نہیں ، ایک طرح سے ان کا اپنا وطن ہے ۔ ان کے اشتیاق کی شدت کا اندازہ ان الفاظ سے لگایا جا سکتا ہے جو انھوں نے فرانس سے سپین کی طرف ریل گاڑی میں سفر کرتے ھوئے اپنے آپ سے مخاطب ھوکر کہے ۔

,,ہسپانوی جو ہر مسلمان کو مور کہتے ہیں ... غرناطہ سے جلا وطن ہونے کے ۴۷۷ برس بعد ... ایک پاکستانی مور کی واپسی ... اپنے وطن کی طرف ،، ۔ (ص : ۱۵) پھر جب تورز کا سٹیشن آیا تو مصنف کو ۷۳۲ء کے موسم بہار کے وہ دن یاد آئے جب اندلس کے اموی گورنر عبدالرحمن الغافقی نے یورپ کے شہروں کی مسلسل فتوحات کے بعد تورز کے میدان جنگ میں یورپ کی متحدہ افواج کا مقابلہ کیا لیکن بعض وجوہ سے ناکام رہا ۔ عیسائی مورخ لکھتے ہیں کہ اگر تورز میں عیسائیوں کو شکست ہو جاتی تو پورا یورپ مسلمانوں کے زیر اقتدار آ جاتا (ص : ۱۷) ۔

مستنصر حسین تارڑ کے سفرناموں پر عموماً داستانی رنگ غالب رہتا ہے ۔ یہی کیفیت ,,اندلس میں اجنبی ،، کی ہے ۔ اس میں ماڈرن ٹورسٹوں کی طرح آوارہ خرامی کے تذکرے ہیں، دوشیزاؤں کے قصے ہیں، میلوں ٹھیلوں کا تذکرہ ہے ۔ علاوہ ازیں عام آبادی کے احوال بھی مصنف کی نگاہ کی زد میں رہتے ہیں، لوگوں کی معاشی، معاشرتی اور مذہبی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا قریب سے مشاہدہ بھی تارڑ کا مطمح نظر ہے ، میلوں ٹھیلوں سے دلچسپی کا اندازہ اس سے کریں کہ تارڑ نے کتاب کے ۲۲ صفحات پر مشتمل تین ابواب ,, ہے تورو ،، ، ,,تپتی دوپہر میں موت،، اور گرم شام کی خوشبو،، میں بُل فائٹنگ کا ذکر کیا ہے ۔ تاہم وہ قصے کہانی کے علاوہ کہیں کہیں تاریخی حقائق بھی سامنے لاتے ہیں ۔ اور اس سلسلے میں مشرقی اور مغربی مصنفین پر یکساں انحصار کرتے ہیں ۔ قاضی ولی محمد کا ,,سفرنامہ اندلس،، بھی ان کے پیش نظر ہے ۔ علاوہ ازیں انھوں نے سید امیر علی، گبن، ھتّی، فریڈرک برگیبور ایسے مورخین اور انتونیو مچادو، ابن زیدون، خلیل جبران، ابن حسان، ابن گبرول ایسے شعرا کے حوالے بھی سفرنامہ کی زینت بنائے ہیں ۔

تارڑ نے مسلمانوں کی فتوحات کے علاوہ ان کی تہذیبی اور علمی سرگرمیوں پر بھی روشنی ڈالی ہے۔ انھوں نے شہروں کی آبادی اور تعمیر میں مسلمانوں کے حسن ذوق اور ان کی رفاعی سرگرمیوں کا تذکرہ بھی کیا۔ جب وہ سخت گرمی کے موسم میں ایک ٹیکسی میں پامپلونا سے قشتالیہ کی طرف سفر کر رہے تھے تو اثنائے راہ میں ٹیکسی ڈرائیور کو پیاس لگی۔ اردگرد پانی کے آثار نہیں تھے لیکن ایک پادری نے اسے پرانے قبرستان میں واقع ایک کنویں کا پتہ دیا جہاں سے جی بھر کر پانی پیا۔ یہ اور اس طرح کے بہت سے کنویں مسلمانوں نے اپنے دور عروج میں جابجا بنوائے تھے جن میں سے اکثر نیست و نابود ہو چکے ہیں۔ تارڑ نے ٹیکسی ڈرائیور کے بیان کو یوں نقل کیا ہے۔ ,,سینکڑوں برس پیشتر اس علاقے پر بڑی بڑی پگڑیوں والے وحشی مور حکمران تھے۔ انھوں نے مسافروں کی سہولت کے لئے تمام بڑی شاہراہوں کے کنارے ہر چند کوس کے فاصلے پر کارواں سرائیں اور کنویں بنوائے۔ مجھے اس پادری نے بتایا تھا "۔
(ص : ۸۰)

مرسیہ کے بارے میں مصنف نے لکھا ہے ,,مرسیہ فلسفہ وحدت الوجود کے عظیم استاد محمد ابن عربی کا مولد ہے۔ جن کی تصنیف ,,فتوحات مکیہ،، کو دانتے کی ,,ڈیوائن کامیڈی،، کا مآخذ کہا جاتا ہے اگرچہ دانتے ابن عربی کی وفات کے پچیس برس بعد فلارنس میں پیدا ہوا لیکن اس کا استاد برونت ابن عربی کا ہم عصر تھا۔ برونت فتوحات مکیہ سے اتنا متاثر ہوا کہ پوری کتاب ترجمہ کرکے دانتے کے ذہن نشین کروا دی "۔ (ص : ۳۳۵)۔

قرطبہ کے بارے میں تارڑ رقمطراز ہیں ,,قدیم قرطبہ میں وہ کونسی کشش تھی جس کا طلسم آج بھی ان گلیوں میں خاموشی سے رواں ہے۔ فلپ ہتّی نے اسے بغداد اور قسطنطنیہ کے ہمراہ دنیا کے تین

روشن ترین شہروں میں شمار کیا ہے۔ دس لاکھ سے زائد آبادی کے اس شہر میں ایک لاکھ تیرہ ہزار مکان اور حویلیاں، تین سو عالی شان حمام اور ستر سرکاری لائبریریاں تھیں جہاں تین ہزار خواتین قلمی نسخوں کی کتابت پر مامور تھیں ۔ میل ھا میل تک پختہ سڑکوں کا ایک سلسلہ تھا اور ہر مکان کے دروازے پر ایک لالٹین نصب تھی .... (ص : ۱۳۵، ۱۳۶) ۔

مصنف نے قرطبہ میں مسجد قرطبہ اور مدینۃ الزھرا وغیرہ تاریخی آثار کی شان و شوکت کا تذکرہ بھی کیا ہے اور وھاں ان کی موجودہ خستہ حالت کی طرف بھی بلیغ اشارے کئے ھیں ۔ مثلاً مسجد قرطبہ کی خستہ حالت کا ذکر یوں کرتے ھیں ، ,,میں نے ایک دراڑ کی مٹی کریدی تو دو تین اینٹیں بھر بھرے پلستر کی بارہ سو سالہ رفاقت سے جدا ھوکر میرے قدموں میں کرگئیں ۔ مجھے خیال آیا شاید انھی تین اینٹوں کو امیر عبدالرحمن نے خود دیوار پر جمایا ھو ۔ (ص : ۱۶۵) مدینۃ الزھرا کے آثار کے بارے میں لکھتے ھیں ,,اور آج ایک ھزار برس بعد اس عجوبہ روزگار محل کے کھنڈر اتنی وقعت بھی نہ رکھتے تھے کہ ایک پاکستانی سیاح انھیں دیکھنے کے لئے قرطبہ میں صرف ایک روز اور ٹھہر جانے کی تکلیف گوارہ کرتا „ ۔ (ص : ۲۰۳) ۔

مصنف نے بعض جگھوں پر عیسائی مصنفین کی غلط بیانیوں پر بھی تنقیدی نظر ڈالی ہے مثلاً برگپور نے الحمراء پر اپنی تصنیف میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ الحمراء دراصل مسلمانوں کا نہیں بلکہ غرناطہ کے یہودی وزیر اعظم یوسف کا تعمیر کردہ ہے یا یہ کہ محل کا اصل بانی الاحمر نہیں ، عبداللہ نامی کوئی شخص تھا مگر بعد میں یوسف کے ھاتھوں دو بارہ تعمیر ھوا ۔

تارڑ نے ان دعوؤں کی مدلل تردید کی ہے۔ (ص : ۲۷۱ ۔ ۲۷۲) ۔

فاضل مصنف کو سپین کی روز مرہ بول چال کے ضروری الفاظ

اور جملوں سے واقفیت ہے اور وہ موقعہ کی مناسبت سے ان سے کام لیتے ھیں ۔ چونکہ مصنف کی آتش شوق کو بھڑکانے میں کلام اقبال کے اثرات بھی کارفرما ھیں اس لئے سفرنامہ کے صفحات میں جابجا اقبال کی مخصوص تراکیب لفظی کے نگینے جڑے دکھائی دیتے ھیں مثلاً مسجد قرطبہ کا منظر یوں پیش کرتے ھیں ,,میرے گرد کا خلا بنفشی ارغوانی سنگ مرمر کے نازک ستونوں کے ایک جنگل میں بدلنے لگا ۔ شام کے صحراؤں میں ایک ھجوم نخیل ،، (ص : ۱۵۳) میں ایک بھٹکے ھوئے آھو کی طرح حیران کھڑا تھا ۔ سوئے حرم کو کیا میں خود حرم میں تھا (ص : ۱۵۵) کتاب میں اشخاص وغیرہ کے اسماء کے اندراج میں فاش غلطیاں نظر آتی ھیں جیسے القفطی کو القضتی (ص: ۱۴۴) ، الزھراوی کو الظاھروی (ص : ۱۴۵) یہی نہیں ص : ۱۴۵ پر اور بھی بعض نام غلط لکھے گئے ھیں ۔

(۵) آج بھی اس دیس میں

محمد حمزہ فاروقی کا یہ سفرنامہ سپین مکتبہ اسلوب کراچی نے ۱۹۸۲ء میں شائع کیا ہے ۔ وہ اس سے قبل سرزمین شام کی سیاحت کی روداد بھی تصنیف کر چکے تھے، علاوہ ازیں ان کے قلم سے علامہ اقبال کے دوسرے سفر انگلستان کی تفصیل ,,سفرنامہ اقبال،، کے نام سے ۱۹۷۳ء میں شائع ھو چکی ہے ۔

محمد حمزہ فاروقی کی سیاحت سپین کا محرک علامہ اقبال کا سفر اندلس ھی ہے اور ان کی کتاب کا عنوان بھی اقبال ھی کے ایک شعر سے مآخوذ ہے ، نظم ,,مسجد قرطبہ،، کا یہ شعر یوں ہے :

آج بھی اس دیس میں عام ہے چشم غزال
اور نگاھوں کے تیر آج بھی ھیں دلنشیں

بقول ڈاکٹر وحید قریشی بظاھر تو ان کا یہ سفر تاریخی عمارتوں کی

سیر کا سفر ہے لیکن درحقیقت مسلمانوں کے باطن کی تلاش وجستجو پر مشتمل ہے۔ تاریخی عمارتوں کے پس منظر میں مسلمانوں کے عروج و زوال کی داستان اور اسپین کی دور حاضر کی زندگی میں ماضی کے نقوش کی بازیافت اس سفرنامے کا محور ہے "۔ (ص : ۱۰)

اس سفرنامے کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں مطالعہ و مشاہدہ دونوں کارفرما ہیں، سیاحت اور تاریخ دونوں ساتھ ساتھ موجود ہیں، مصنف نے سفرنامہ میں حقائق بیان کرنے کو ترجیح دی ہے انھوں نے دلچسپی پیدا کرنے کے لئے فرضی معاشقوں اور افسانوں کا سہارا نہیں لیا، وہ ہر لمحہ اپنی توجہ مقصد سفر پر مرکوز رکھتے ہیں اور قاری کے دل و ذہن کو ادھر ادھر بھٹکنے نہیں دیتے، تقریباً دو ہفتوں پر مشتمل اس سیاحت کا آغاز ۱۱ فروری ۱۹۷۹ء کو لندن سے روانگی کی صورت میں ہوا اور ۲۷ فروری ۱۹۷۹ء کو اس کی تکمیل ہوئی اس دوران حمزہ فاروقی نے سپین کے شہروں میڈرڈ،اسکوریال، قرطبہ، اشبیلیہ اور غرناطہ وغیرہ کی سیر کی اور وہاں کے قابل دید مقامات کا نظارہ کیا۔

چونکہ حمزہ فاروقی علامہ اقبال سے گہری عقیدت رکھتے ہیں اور اس عقیدت نے انھیں اقبال کی پیروی میں سپین کی سیاحت پر آمادہ کیا اس لئے سفرنامہ میں جابجا کلام اقبال کے حوالے ملتے ہیں ، اس کے علاوہ اس سفرنامہ میں سپین کے موجودہ باشندوں کے اطوار وعادات اور رہن سہن پر عرب اثرات کی عمدہ عکاسی کی گئی ہے۔ فاضل مصنف ہمیں بتاتے ہیں کہ ,,اسپینی اقوام دنیا بھر میں دو باتوں کے لئے مشہور ہیں Fiesta (مذہبی جشن) اور Siesta (قیلولہ) ۔ ایک سے تین بجے تک دنیا کا ہر کام سوائے آرام کے بند ہوتا ہے۔ اس معاملے میں اسپینیوں اور عربوں میں بڑی مشابہت ہے "۔(ص : ۲۱)

,,قرطبہ پرانی طرز کا شہر ہے اس کی گلیاں تنگ اور ٹیڑھی تھیں یہ عرب اثرات کا نتیجہ ہے ، گرمیوں میں جب سخت لو چل رہی ہو تو گردوپیش کے بلند مکانوں کی بنا پر گلیوں میں سایہ رہتا ہے۔ یہ طریقہ اب بھی مشرق وسطی کے پرانے شہروں میں رائج ہے۔ قرطبہ کے مکان باہر سے سادہ اور سپاٹ نظر آتے تھے لیکن دروازے سے اندر داخل ہوتے ہی خوبصورت وضع کا صحن ، فوارہ اور چھوٹا سا باغ ہوتا ہے۔ صحن کے گرد رہائشی کمرے اور دیواروں پر خوبصورت نقش ونگار ہوتے ہیں ۔ عربوں کے طرز تعمیر سے مشابہت دیکھ کر مجھے خوش گوار حیرت ہوئی ،، ۔ (ص : ۳۰)

عربوں کے انخلا کے بعد اسپین کی حالت کا نقشہ کھینچتے ہوئے فاضل مصنف رقمطراز ہیں ,,سقوط غرناطہ کے بعد اس مذہبی رواداری کا خاتمہ ہوگیا جسے عربوں نے اپنے دور عروج میں رواج دیا تھا اور جسکے نتیجے میں مسلمان،عیسائی اور یہودی مل جلکر علمی اور تمدنی کارنامے انجام دیتے تھے ۔ مذہبی رواداری ، علم دوستی اور فن پروری کے بجائے مذہبی تقشف، عدم رواداری ، تنگ نظری، جہالت اور تعصب نے جنم لیا، مقصود یہ تھا کہ اسپین کو مختلف مذاہب اور نسلوں سے پاک کرکے متحد قوم بنایا جائے (ص: ۲۲ ۔ ۲۳) اس کے بعد کتاب میں عیسائیوں کے نظام احتساب کے مظالم کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا گیا ہے کہ لاتعداد مسلمانوں کو زبردستی عیسائی بنایا گیا اور مسلمانوں کے اخراج کے بعد معاشی سرگرمیاں دم توڑ گئیں اور اسپین یورپ کا پسماندہ ترین ملک بن گیا (ص : ۲۳)

محمد حمزہ فاروقی نے مسجد قرطبہ کے ساتھ عیسائیوں کے سلوک کی طرف اشارہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ مسجد کا پہلا تاثر بہت یاس انگیز تھا ۔ ہر جگہ خستگی نمایاں تھی، گزشتہ صدیوں میں اسے

بری طرح نقصان پہنچایا گیا تھا ۔ کعبہ کی مخالف سمت کے دروازوں کو بہت بھونڈے انداز سے بند کیا گیا تھا ۔ امویوں نے روشنی اور تازہ ہوا کے لئے جو انتظام کیا تھا اسے دیواریں چن کر بدنما انداز سے بند کر دیا گیا (ص : ۳۸) ۔

صاحب سفرنامہ نے یہ دلچسپ انکشاف کیا ہے کہ مسجد قرطبہ کی جگہ کلیسا کی تعمیر کے لئے جن عیسائی معماروں سے کام لیا گیا ان کا دل مسلمان تھا ۔ یہی وجہ ہے کہ ,, انھوں نے کلیسا کی دیواروں پر نقش گری کرتے ہوئے جابجا کلمہ طیبہ تحریر کر دیا ۔ جاہل اور متعصب حکمرانوں نے اسے بھی عربی وضع کے بیل بوٹے تصور کیا ،، ۔ (ص : ۳۹)

جنت العریف کا تذکرہ کرتے ہوئے فاضل مصنف لکھتے ھیں ,,ایک بلندمقام پر ھم نے وہ تالاب دیکھا جس میں مختلف چشموں کا پانی جمع ھوتا اور یہاں سے دیگر مقامات کو تقسیم ھوتا تھا ، یہاں دریائے ڈارو سے بھی پانی آتا تھا ۔ اول تو اس بلندی تک پانی پہنچانا دشوار تھا، دوسرے یہاں سے دیگر مقامات پر سلیقے سے پانی منتقل کرنا اور بھی دشوار تھا ۔ اس انتظام کو دیکھ کر عقل دنگ رہ جاتی ہے ،، ۔ (ص: ۹۹)

لسان الدین خطیب ، الادریسی اور دیگر قدیم و جدید یورپی مصنفین مثلاً ولیم ھکلنگ پریسکوٹ، لیوپولد تورس بلباس، گوئٹین، واشنگٹن اورنگ وغیرہ کی تصانیف کے حوالے دئے گئے ھیں ، ابو عبداللہ کے اخراج کے بارے میں پریسکوٹ کا یہ دلچسپ بیان ملاحظہ ھو :

,,وہ دروازہ جہاں سے ابو عبداللہ آخری مرتبہ نکلا تھا اس کی درخواست پر چنوا دیا گیا تاکہ کوئی دوسرا یہاں سے نہ گزر سکے ۔

اس حالت میں یہ دروازہ غرناطہ کے آخری بادشاہ کے دردناک انجام کی یادگار بنا ہوا ہے "۔ (ص : ۸۳)

غرناطہ کے جدید دور کے ایک شاعر فیڈریکو گارسیالورکا نے مسلمانوں کے زوال کے بعد عیسائیوں کے دور پر تبصرہ کرتے ہوئے جو کچھ کہا محمد حمزہ فاروقی اسے یوں نقل کرتے ہیں ۔ ,, یہ ایک تباہ کن اقدام تھا گو سکولوں میں اس کے برخلاف پڑھایا جاتا ہے۔ ایک قابل تحسین تہذیب، شاعری، طرز تعمیر اور دنیا بھر میں منفرد حسن کو برباد کر دیا گیا تاکہ ایک غریب قوم کو ڈرا دھمکا کر بدترین متوسط طبقے کے لئے جیسا کہ آج کل اسپین میں موجود ہے اس وسیع خرابے میں جگہ پیدا کی جائے "۔ (ص : ۸٦)

فیڈریکو کی یہ تلخ نوائی ۱۹۳٦ء میں اس کے قتل کا باعث بنی مصنف نے بتایا کہ عیسائی پادریوں کے تعصب کا یہ عالم ہے کہ ۱۹۷۸ء میں عیدالاضحی کے موقع پر مسجد کے ایک حصے میں مسلمانوں کو نماز عید ادا کرنے کی اجازت ملی تھی لیکن پادریوں کے اثر کی وجہ سے مسجد کا مسلمانوں کو واگزار ہونا ممکن نظر نہیں آتا ۔ (ص : ۴۰)

(٦) سفر مینا

معروف ادیب، افسانہ نگار اور ڈرامہ نگار اشفاق احمد کی یہ تصنیف ان کے سفرناموں ، افسانوں اور ایک ناولٹ کا مجموعہ ہے۔ ,,سفر مینا " اپریل ۱۹۸۳ء میں لاہور سے شائع ہوئی ۔ مصنف کو اگرچہ سپین کے کئی شہروں کی سیاحت کا موقع ملا لیکن انہوں نے ,,عرش منور" اور ,, ہے تورو " کے عنوانات کے تحت بالترتیب صرف قرطبہ اور غرناطہ کی روداد سفر لکھنے پر اکتفا کی ہے۔ اس روداد سفر پر تاثراتی اور داستانی رنگ غالب ہے شاید یہی وجہ ہے کہ

مصنف نے سفرناموں کو اپنے افسانوں اور ناولٹ کے ساتھ یکجا کر دیا ہے ، اشفاق احمد نے میلوں ٹھیلوں کی رنگینیوں اور عام زندگی کی گہما گہمیوں کا تذکرہ بڑے دلچسپ انداز میں کیا ہے ۔ کتاب میں کبھی تو بل فائٹ کی تفصیل سے قاری کو محظوظ کیا گیا ہے اور کبھی سپین کی دوشیزاؤں مثلاً ,, کوکلے تلنے والی ،، اور ,, ایزابیلا ،، کے ساتھ بات چیت کے ذریعے تاثرات سفر پیش کئے گئے ہیں ۔ بہرحال مصنف کا مقصود نظر یہ ہے کہ سپین کے ماضی اور حال خصوصاً مسلمانوں کے زوال اور اس کے اثرات پر روشنی ڈالی جائے ۔ اشفاق احمد کو یہ احساس ہے کہ قرطبہ ان کے اسلاف کا وطن تھا اور اس بنا پر ان کا اپنا وطن ہے اس کی فضا میں انھیں وہی اپنائیت نظر آتی ہے جو اپنے وطن میں محسوس ہوتی تھی اور یہی وہ تاریخی اور تہذیبی رشتہ ہے جو سیاح کو سپین میں لے آیا ہے :

,, قرطبہ کے سٹیشن سے پرے مجھے یوں محسوس ہوا جیسے نہر کا ایک بنگلہ ہے ۔ بنگلہ کے ساتھ نہر بہہ رہی ہے اس کے ساتھ قبرستان میں میرے بھائی اور دادا کی قبریں ہیں اور ان کے ساتھ اور بہت سے ایسے لوگوں کے مدفن ہیں جنھیں میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا جن سے میں بارہا ملا تھا یا جن کے متعلق میں نے اپنے والد اور اماں اور نانی سے بہت کچھ سن رکھا تھا ۔ سفر کی صعوبتیں برداشت کرنے اور در در کی ٹھوکریں کھانے کے بعد آج بڑی مشکل سے اپنے گاؤں پہنچا تھا اور میرے اپنے گاؤں کے لوگ جنھوں نے ہمارے چلے جانے کے بعد ہماری ہر چیز پر قبضہ کر لیا تھا شک اور حیرت کی نگاہوں سے میری طرف دیکھ رہے تھے جیسے مجھے پہچاننے کی کوشش کر رہے ہوں، جیسے مجھے پہچان کر اپنے آپ کو سمجھانے کی کوشش کر رہے ہوں کہ نہیں یہ وہ نہیں ہو سکتا ۔

بھلا اس میں وہ جرأت کہاں کہ ہماری سرزمین پر قدم رکھ سکے ہماری مملکت کی سرحدوں کو چھو سکے " ۔ (ص : ۴۷ ۔ ۴۸)

میرا پڑدادا شہر کا کوتوال رہا تھا ۔ میرا دادا قرطبہ کی دانش گاہ میں رومی قانون پڑھاتا تھا اور میرا باپ سلطانی بیطلر تھا ۔ بے چاری دادی سارا دن کھجوروں کا شیرہ تیار کرکے روغنی مرتبانوں میں بھرا کرتی تھی اور اماں زیتون کا تیل بیچنے والی ان یہودنوں سے بھاؤ چکایا کرتیں جو بات بات پر لمبی لمبی قسمیں کھاتی تھیں اور مردنگ ایسے مرتبانوں پر لمبے سے ہاتھ رکھ کر یونہی بے معنی سی ہنسی ہنسے جاتیں ۔ (ص : ۵۰)

,,سفر مینا " میں کہیں کہیں براہ راست تاریخی حقائق بھی بیان کئے گئے ہیں مثلاً ,, اس وقت قرطبہ دار الخلافہ ہونے کی وجہ سے اندلس کے سارے شہروں میں ممتاز حیثیت رکھتا تھا ۔ آبادی کوئی دس لاکھ نفوس پر مشتمل تھی ۔ شہر میں اسی ہزار چار سو دکانیں، سات سو مسجدیں ، نو سو حمام اور ساڑھے چار ہزار گودام تھے ۔ یہ خوشحال اور متمدن شہر وادی الکبیر کے کنارے آباد تھا ۔ ساری سڑکیں پتھر کی تھیں اور گرمیوں میں ان پر خیمے تن جاتے تھے تاکہ آمدورفت میں آسانی رہے " ۔ (ص : ٦٢)

یہ مسلم سپین کا قرطبہ تھا اور آج کا سیاح تیز دھوپ میں تپتی سڑکوں پر چلتے ہوئے آرزو کرتا ہے کہ : ,, کاش ان سڑکوں پر کم از کم شہر کے اندرونی کونوں پر اب بھی کوئی تنبو تان دیا کرے تاکہ لوگوں کو چلنے پھرنے میں آسانی ہو " ۔ (ص : ٦٢)

اشفاق احمد نے مسلمانوں کی عظیم الشان عمارتوں کا ذکر بھی کیا ہے لیکن اس ذکر میں اظہار فخر کے ساتھ احساس الم بھی مضمر ہے کہ اب ان عمارتوں کی ترقی وتوسیع تو کجا مرمت کرنے والا

بھی کوئی نہیں ۔ مسجد قرطبہ کو دیکھ کر اشفاق احمد کے دل پر جو اثر ہوا اس کا تذکرہ یوں کیا ہے :

,,میں نے ایک جھرجھری لی، شانے جھٹکے اور ایک منجھے ہوئے ٹورسٹ کی طرح اپنے آپ سے انگریزی میں کہا ,, تو یہ ہے مسلمانوں کا وہ عبادت کدہ جس کی تعمیر انھوں نے آٹھویں صدی میں شروع کی تھی اچھی خاصی عالی شان عمارت ہے ،، ۔ مگر یہ فقرہ مجھے ٹھیک سے سہارا نہ دے سکا اور میں یہ دیکھ کر دکھی ہو گیا کہ اس عمارت کی اچھی طرح نگہداشت کیوں نہیں ہوتی ؟ اس کی شکست وریخت پر کوئی توجہ کیوں نہیں دیتا ۔ سیڑھیاں کیوں ٹوٹ گئی ہیں ؟ کنگرے کیوں ڈھے گئے ہیں ؟ ڈاٹوں کے پتھر اندر کو کیوں پچک گئے ہیں ۔ کرسی کے اوپر دیوار کو شورہ چاٹ رہا ہے تو دنیا کے کسی عبدالرحمن کو خبر کیوں نہیں ہوتی ؟ (ص : ٦٣)

مصنف نے بتایا ہے کہ سپین کے موجودہ باشندوں کو مسلمانوں کے بارے میں صرف اتنا معلوم ہے کہ وہ باہم لڑتے جھگڑتے رہتے تھے اور اسی بنا پر وہ مسلمانوں کو غیر مہذب سمجھتے ہیں ۔ مصنف نے اس بات کو کوکلے تلنے والی ایک ہسپانوی لڑکی سے اپنی گفتگو کے ذریعے اس طرح واضح کیا ہے :

,,اس لڑکی کو جب معلوم ہوا کہ مصنف مسلمان ہے تو وہ سر کو جھٹکا دے کر کرخت آواز میں بولی ,, مور اور یہ لجاجت ،، میں نے پھر نظریں جھکا لیں اور جواب میں آہستہ سے کہا ,, ہم سبھی تو ایسے نہ تھے ۔ آپس میں لڑتے تھے مگر رعایا پر تشدد تو نہ کرتے تھے ۔ آپ امیر عبدالرحمن کو نہیں جانتیں انھوں نے اسی شہر میں ایک برج بنوایا تھا اور اپنے آبائی ملک سے کھجور کا پودا منگوا کر یہاں بویا تھا ۔ برج کے بالائی کٹہرے پر کھڑے ہو کر وہ پودے کو

پروان چڑھتے دیکھا کرتے ۔ اپنے وطن کی یاد میں شعر کہتے ۔ زریاب مغنی سے عود پر نغمے سنتے اور علم و ادب اور فنون لطیفہ کے پرستاروں کو منہ مانگی مرادیں دیتے ... » اس نے چڑ کر کہا ,, میں کسی کو نہیں جانتی مور سب کے سب قصائی تھے اور تو سانپ کا بچہ سنپولیا ہے ۔ (ص : ۵۹)

اشفاق احمد نے ,, ہے تورو » کے عنوان کے تحت گو سپین کے ایک بل فائٹر کا قصہ سنایا ہے لیکن درحقیقت اس میں انھوں نے ان لوگوں کی خستہ حالت بیان کی ہے جو اپنے آپ کو اسلامی تاریخ کے آئینے میں دیکھ کر مسلمانوں کی طرح کوئی کارنامہ انجام دینے کی کوشش میں اپنا سب کچھ لٹا بیٹھتے ھیں ۔ اصل اور نقل میں یہی تو فرق ہے ۔

اشفاق احمد کی زبان اور بیان پر اقبال کا اثر صاف نظر آتا ہے ، مثلاً ,, اور یہ امید بار بار میرے دل میں آپ سے آپ ابھرتی رہی کہ ابھی مجھے دریائے کبیر کا چوڑا چکلہ پاٹ نظر آئے گا ابھی اس پر چابی دار محرابوں کا پل دکھائی دے گا اور ابھی مجھے وہ منار بلند وہ جلوہ گہ جبرئیل شفقت سے دیکھے گا جس کے قدموں میں مسجد قرطبہ اور اس کا صحن پھیلا ہوا تھا (ص : ۵۱) ایک جملہ ملاحظہ کیجئے ,, ... اگر دختر دھقان ھوتی تو گیت گاتی ھوئی چلتی» ۔(ص۵۱)

(۷) ھسپانیہ میں علامہ اقبال کے نقش قدم پر

جیسا کہ قبل ازیں ذکر ہو چکا ہے کہ علامہ اقبال کے سفر ھسپانیہ نے لوگوں کو اس خطے کی طرف متوجہ کرنے میں اھم کردار ادا کیا ہے ، اقبال کے بعد جس سیاح نے سپین کا رخ کیا اس نے اقبال سے تاثر ضرور لیا، اس تاثر کا بھرپور اقرار و اظھار محمد حمزہ فاروقی کے علاوہ سعید اختر درانی کے ھاں ملتا ہے ۔ درانی نے تین

مرتبہ سپین کی سیاحت کی لیکن ان کی سیاحت کا تذکرہ کسی مستقل کتاب کا موضوع نہیں بلکہ اقبال پر ان کی تصنیف ,,اقبال یورپ میں،، کا حصہ ہے جو اقبال اکادمی پاکستان لاہور کے زیر اہتمام ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی ۔

سعید اختر درانی نے پہلی مرتبہ اپنے کیمبرج کے زمانہ طالب علمی میں ۱۹۵۶ء میں پورے سپین کا دورہ کیا تھا ۔ انھوں نے ۵۰۰ کلومیٹری ٹکٹ لے کر ریل کے ذریعے سپین کے ایک کونے سے دوسرے کونے تک سیاحت کی ۔ اس دوران انھوں نے اقبال کی پیروی میں مسجد قرطبہ میں نماز بھی ادا کی ۔ دوسری مرتبہ انھوں نے اپنی جرمن نژاد بیوی کو سپین کے مسلم آثار مثلاً الحمراء ، اشبیلیہ کا القصر اور عظیم مینار اور مسجد قرطبہ دکھانے کے لئے ۱۹۶۹ء میں اس سرزمین کی سیاحت کی ۔

سعید اختر درانی تیسری مرتبہ اواخر جولائی ۱۹۸۲ء میں جرمنی سے اپنے اھل و عیال کے ساتھ بذریعہ کار روانہ ہوئے اور ۴ اگست کو سپین میں داخل ہوئے وھاں بارسلونا اور ویلنسیا کے رستے سفر کرتے ہوئے ایک گاؤں Bella Oscheta میں اپنی تعطیلاتی اقامت گاہ پر پہنچے جو Alicante سے کچھ فاصلے پر Villajoyosa کے قریب دامن کوہ میں واقع ہے ۔ سعید اختر درانی نے اس خطے میں عربوں کے آباد کئے ہوئے کئی قصبوں، ان کے لگائے ہوئے باغوں اور ان کے تعمیر کئے ہوئے قلعوں کی سیر کی اور مسجدوں کی زیارت کی جن کو عیسائیوں نے گرجوں میں تبدیل کر دیا ہے ۔ ان میں Elche کی خوبصورت جامع مسجد بھی شامل ہے ۔ یہاں دو ہفتے گزارنے کے بعد ۲۰ اگست کو اسپین کی سیاحت پر نکلے ۔ پہلے مرسیہ میں رکے جس کے رستے میں کھجوروں کے درختوں کے جھنڈ دکھائی دیئے اور جابجا ایسے قصبے اور دریا نظر

آئے جن کے نام ابھی تک عربی ھیں ۔ ایک شہر Elicante میں ایک جلوس دیکھا جس میں شامل لوگوں نے عربوں کا جنگی لباس پہن رکھا تھا اور وہ ھلالی پرچم اٹھائے شمشیر زنی کا مظاھرہ کرتے ھوئے اور رزمیہ موسیقی کی تانیں بلند کرتے ھوئے اپنی پرانی تاریخی روایات کی یاد تازہ کر رھے تھے ، اس کے بعد درانی غرناطہ پہنچے جہاں قصر الحمراء کی سیر کی ، اس محل کی دیواروں، ستونوں اور جالیوں پر آیات قرآنی سے کی گئی آرائش اور عرب حکمرانوں کا طغری ,,ولا غالب الا اللہ،، دیکھ کر ان کی طبیعت پر عجیب اثر ھوا ۔ اس کے بعد وہ اپنے اھل و عیال کے ساتھ قرطبہ پہنچے ، قرطبہ کے باغات کا منظر دیکھا اور مسجد قرطبہ کی زیارت کی پھر علامہ اقبال کے نقش قدم پر چلتے ھوئے قدیم عربی دار الحکومت طلیطلہ کا رخ کیا جہاں اب بھی قدیم طرز کی تلواریں دستی آئینے، طشتریاں اور زیور بنائے جاتے ھیں جن پر عربوں کی چھاپ صاف نظر آتی ہے۔ عربی دور کی عمارتیں، حویلیاں، باغ، فوارے اور بازار ھر طرف دکھائی دیتے ھیں ۔ طلیطلہ کی سیر کے بعد انھوں نے اویلا Avila کی سیر کی، اس قدیم اور خوبصورت شہر کے گرد فصیل ابھی تک باقی ہے اور ایک عظیم الشان قلعہ ابھی تک عربوں کی یاد تازہ کر رھا ہے۔ اویلا سے چل کر شام کو میڈرڈ پہنچے۔ یہاں مصنف کو علامہ اقبال کی وہ تقریر تلاش کرنی تھی جو انھوں نے جنوری ۱۹۳۳ء میں ,,Spain and the Intellectual World of Islam،، کے عنوان سے میڈرڈ یونیورسٹی میں کی تھی اور جس کا ذکر قبل ازیں علامہ اقبال کے سفر اندلس کے ضمن میں آ چکا ہے۔

سعید اختر درانی نے قومی کتب خانے Biblioteca Nacional میں اقبال کی تقریر تلاش کرنے کی بڑی کوشش کی لیکن

تقریر نہ ملنا تھی اور نہ ملی ۔ وقت کی کمی آڑے نہ آتی تو شاید وہ اس میں کامیاب ہو جاتے ۔ سعید اختر درانی ایک سائنس دان ہیں لیکن علامہ اقبال سے عقیدت و محبت کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے نہ صرف علامہ اقبال کی پیروی میں سپین کا سفر اختیار کیا بلکہ وہاں ایسی معلومات کی تلاش میں بھی مصروف رہے جو اقبالیات میں تحقیق کے سلسلے میں مفید ثابت ہو سکتی ہیں ۔ شاید اسی لئے ان کے ہاں بطور سیاح حالات سفر رقم کرنے کا انداز نرالا ہے ۔ انہوں نے کوئی اٹھارہ صفحوں میں اپنے تین سفروں کی روداد لکھی ہے اور تقریباً دس صفحوں میں سپین کے قومی کتب خانے میں علامہ اقبال کی میڈرڈ والی تقریر کی تلاش کی تفصیل درج کی ہے ۔

(۸) اندلس کا سفرنامہ

مولانا صہیب حسن کا یہ مختصر سفرنامہ ماہنامہ اردو ڈائجسٹ لاہور جولائی، اگست اور دسمبر ۱۹۸۸ء کے شماروں میں شائع ہوا ۔ یہ سفرنامہ ۴۳ صفحات پر مشتمل ہے اور اس بنا پر منفرد اور ممتاز ہے کہ اس کے مصنف القرآن سوسائٹی لندن کے ڈائریکٹر ہیں اور انہوں نے سپین میں اشاعت اسلام کی سرگرمیوں کا جائزہ لینے کے لئے اپریل ۱۹۸۵ء میں سفر کیا تھا ۔ اس سفر میں مولانا صہیب حسن کے اہل و عیال کے علاوہ لیورپول کے ڈاکٹر احمد زمان بھی ہمراہ تھے ۔ مولانا نے بڑی دشواری سے سپین کا ویزا حاصل کیا اور ۲۹ مارچ ۱۹۸۵ء کو لندن سے روانہ ہو کر ڈوور اور میکے ہوتے ہوئے پیرس پہنچے ۔ پیرس میں محراب فتح، نوٹرے ڈیم کا گرجا اور مسجد پیرس وغیرہ دیکھی اور پھر لیون سے ہوتے ہوئے کوہ پیرینیز کے شمالی درے سے سپین میں داخل ہونا چاہتے تھے تاکہ ٹورس کو بھی دیکھتے جائیں جو اس راہ میں آتا ہے اور جہاں رمضان ۱۱۴ ھ/ ۲۲ء میں

عبدالرحمن غافقی کی زیر سرکردگی مسلمانوں اور عیسائیوں کے درمیان معرکہ کارزار گرم ہوا تھا لیکن ڈاکٹر زمان کے مشورے پر جنوبی فرانس ہوتے ہوئے کوہ پیرینیز کے انتہائی جنوبی سرے سے اسپین کا رخ کیا ۔ اثنائے سفر میں جابجا مسلم آثار نظر آئے ، فرانس کے سرحدی شہر پیرپینیان کے مضافات میں پہنچے جہاں ایک مراکشی کے فلیٹ میں رات گزاری اس علاقے کے مراکشی مسلمانوں سے بارسلونہ کی واحد باقاعدہ مسجد طارق بن زیاد کا پتہ معلوم ہوا ۔ کوہ پیرینیز کی گھاٹیوں سے گزر کر بارسلونہ پہنچے جو سپین کا سرحدی شہر ہے ، شہر میں مراکشی مسلمانوں کے علاوہ پچاس کے قریب پاکستانی خاندان بھی رہتے ہیں ان لوگوں کی مساعی سے اگرچہ شہر میں تین مسجدیں موجود ہیں لیکن ان میں پنجوقتہ نماز صرف مسجد طارق بن زیاد میں ہوتی ہے ، مولانا صہیب حسن نے میڈرڈ میں واقع اسلامی مرکز کا دورہ بھی کیا جو اسپین کی یونیورسٹیوں میں زیر تعلیم عرب طالب علموں کی تنظیم جمیعة الطلبة المسلمین کی کوششوں سے قائم ہوا تھا ، اس جمعیت کی شاخیں سپین کے کئی شہروں میں قائم ہیں اور اس نے قرآن مجید کے اسپینی ترجمے اور دیگر اسلامی کتب کی اشاعت میں قابل قدر کام کیا ہے ۔ اس اسلامی تنظیم کے روح رواں نزار احمد صباغ شامی تھے جنھوں نے سپین میں اشاعت اسلام کی موثر خدمت انجام دی ہے ۔ ان کو مبینہ طور پر شام کی حکومت نے شہید کر دیا ۔ اس کے باوجود ان کی تحریک اللہ تعالی کے فضل سے جاری ہے ۔ اسلامی مرکز کی لائبریری میں مفید کتابیں عام استفادہ کے لئے موجود ہیں ۔ غرناطہ میں مسلمانوں کے پاس ایک قبرستان بھی ہے ۔ ۔ مولانا صہیب حسن نے بارسلونہ کے نواح میں مقیم عربوں سے رابطہ قائم کرنے کی کوشش

بھی کی ۔ اس کے بعد انھوں نے بلنسیہ کا رخ کیا ۔ راہ میں طرطوشہ کی سیر کی جو پانچ سو سال تک مسلم تہذیب و تمدن کا گہوارہ رہا ۔ مشہور مصنف ابوبکر طرطوشی (وفات ۵۲۰ھ) اسی علاقے کے رہنے والے تھے ۔ اراغون کے عیسائی بادشاہ نے اس علاقے پر ایک صلحنامہ کے ذریعہ قبضہ کیا تھا اور مسلمانوں کی مذہبی آزادی برقرار رکھنے کا وعدہ کیا تھا لیکن وہ یہ وعدہ پورا نہ کر سکا ۔ اس تاریخی حقیقت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے مولانا صہیب حسن لکھتے ہیں :

اسپین کے مسافر کو یہ بات شدت سے محسوس ہوگی کہ اسلامی ہسپانیہ کے ہر شہر کا مرکزی گرجا مقامی جامع مسجد کی ہیئت تبدیل کرکے بنایا گیا ہے ۔ بارسلونہ کے مرکزی کیتھڈرل میں ابھی تک ایک عربی لوح کے آثار ملتے ہیں " ۔ (ص ۱۹۵)

ایک طرف یہ منظر ہے جو مسلمان سیاحان اسپین کو رنجیدہ کرتا ہے اور دوسری طرف احیائے اسلام کی جدوجہد کا احساس ہے جو دل کو روشن مستقبل کی نوید دیتا ہے ۔ مولانا لکھتے ہیں :

"ہم نے بوجھل دل کے ساتھ قلعے کی فصیل سے طرطوشہ پر ڈھلتے ہوئے سورج کی شعاعوں کو نمناک آنکھوں سے دیکھا ۔ سات صدیاں پہلے طرطوشہ کے آخری مسلمان نے ایسا ہی نظارہ اپنی آنکھ سے دیکھا ہوگا ۔ کیا معلوم اسپین احیائے اسلام کی جس رو سے گزر رہا ہے اس کی کوئی لہر دریائے ایبرو کی گود میں آباد اس عظیم بستی کو ازسرنو شاد کام کردے " ۔ (ص ۱۹۵)

جناب صہیب حسن نے ان مقامات کے علاوہ بلنسیہ ، الیکانتے، مرسیہ، الباسیت اور غرناطہ وغیرہ ، کی سیاحت بھی کی اور تفصیل سے ان علاقوں کی تاریخ اور موجودہ دور میں کام کرنے والی اسلامی تنظیموں کی کارکردگی پر روشنی ڈالی ہے ۔

(۹) سورج کے ساتھ ساتھ

ذکیہ ارشد حمید کی یہ کتاب پانچ ملکوں فرانس ، سپین ، قاہرہ، سعودی عرب اور جاپان کے سفر کی روداد پر مشتمل ہے جو ستمبر ۱۹۸۸ء میں مکتبہ ہمزبان کراچی سے شائع ہوئی ۔ ہر چند یہ سفرنامہ موصوفہ کی پہلی مستقل تصنیف ہے لیکن اس سے ان کی ادبی صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے۔ یہ سفرنامہ اس اعتبار سے منفرد ہے کہ اس میں نہ تو زیب داستان کے لئے کچھ بڑھایا گیا ہے اور نہ محض خشک معلومات فراہم کرنے کی کوشش کی گئی ہے بلکہ ایسا انداز اپنایا گیا ہے کہ قاری سفرنامہ نگار کے ہمراہ خود بھی سفر کے جملہ مراحل طے کرتا چلا جاتا ہے۔ ذکیہ ارشد سیر و سیاحت کی دلدادہ تو ہیں لیکن ان کا اصل طرہ امتیاز ان کے قومی و ملی احساسات ہیں جن کو انھوں نے فرانس کے نام نہاد ماڈرن شہروں پیرس ، کانز اور نیس وغیرہ کی سیر کرتے ہوئے بھی عزیز رکھا ۔ وہ جہاں بھی گئیں اپنے اسلامی اور قومی تشخص کے اظہار سے غافل نہیں ہوئیں اس بنا پر اگر انہیں مذکورہ ممالک میں پاکستان کی غیر سرکاری سفیر قرار دیا جائے تو کچھ بے جا نہ ہوگا ۔

ذکیہ حمید کو سپین کے قرب کا احساس پہلی مرتبہ اس وقت ہوا جب انھوں نے پیرس کے مضافات میں ایک مقام پر TOURS کا بورڈ لگا دیکھا ۔ وہ لکھتی ہیں :

,, شام سے پہلے ہی ہم اپنی اگلی منزل کی طرف روانہ ہو گئے ۔ بڑی شاہراہ پر جیسے ہی آ گئے میری نظر سامنے بورڈ پر پڑی لکھا تھا طورزTours یہ لفظ میرے ذہن سے چپک گیا اور میں نے ارشد سے کہا کہ گاڑی اس سڑک پر موڑ لو ۔ یہ جگہ صرف پچاس کلومیٹر ہے ہم جلدی لوٹ آئیں گے ۔ موسیو والے اور ارشد حیران تھے کہ اس

جگہ کیا خاص بات ہے جو میرا ارادہ ایک دم اس طرف جانے کا ہو گیا ہے۔ بہت مشکل سے دونوں رضا مند ہوئے ۔ جیسے ہی ہم وہاں پہنچے مجھے وہاں کی فضاؤں میں اللہ اکبر کی گونج سنائی دی ۔ طارق بن زیاد اور میرے عرب بھائیوں کی خوشبوئیں ہر طرف بکھری تھیں ۔ صدیاں گزرنے کے بعد بھی یہاں ہواؤں میں کلمۂ حق کی لہریں بکھری تھیں ۔ یہی وہ جگہ تھی جہاں تک مسلمان سپین فتح کرتے کرتے فرانس میں اندر تک آ گئے تھے ۔ بس یہیں ۷۳۲ء میں فرانس کے بادشاہ چارلس مارٹن نے مسلمانوں کی پیش قدمی روک دی تھی ۔ میرے ہاتھ فاتحہ پڑھنے کو اٹھ گئے اور بوجھل دل لئے واپس چلی آئی ۔ یہاں مسلمانوں کی کوئی یادگار باقی نہیں ۔ صرف مسلمانوں کی پیش قدمی روکنے کے لئے بڑے بڑے قلعے کھڑے ہیں "۔ (ص : ۳۸)

"لیون کے قدیم حصے میں ذکیہ صاحبہ نے ایک قلعہ نما گرجا دیکھا جس کے بارے میں وہاں کی نگران راہبہ نے بتایا کہ اس طرح کے قلعے آٹھویں صدی کے بعد تعمیر ہوئے کیونکہ اس زمانے میں جنوب کی طرف سے مور (مسلمان) فاتحین کی پیش قدمی جاری تھی جس کو روکنے کے لئے ان قلعہ نما گرجوں کو تعمیر کیا گیا ۔ ان کی وساطت سے مقامی عیسائی باشندوں میں مذہبی جذبہ پیدا کیا گیا ۔ ذکیہ ارشد نے یہ سنا تو ان کے تصور نے ماضی کی طرف زقند بھری :

"اور میرے تصور میں سبز پرچم لئے مسلمان سپاہی اللہ اکبر کے نعرے لگاتے ان پہاڑوں کو اپنے قدموں تلے روندتے آگے بڑھتے رہے ۔ انھی میدانوں کی مٹی پر ان کی جبیں اپنے اللہ کے حضور جھکی ہو گی ۔ ان کی عظمتوں کی ایک ایک نشانی نصرانیوں نے مٹا دی ۔ مسلمان اپنے ساتھ یورپ میں علم کے خزانے لائے ۔ ان میں ریاضی،

سائنس اور طب قابل ذکر ہیں ۔ (مسلمانوں نے ریاضی کا علم سیکھا اسے آگے بڑھایا) مسلمانوں کے زوال کے ساتھ ان کی ایجادات یورپ والوں نے اپنے نام منتقل کر لیں ۔ یورپ کا صنعتی انقلاب مسلمانوں کی سائنسی اور معاشی ترقی کا مرہون منت ہے لیکن یورپ والے یہ کیوں کہیں گے ۔ یہ سب مسلمانوں کی بدولت ہے ۔ لیکن ہم بھی تو اپنی تاریخ بھلا بیٹھے ہیں ، ہم بھی تو سائنس اور ریاضی سے دور بھاگنے لگے " (ص : ٣٦ ـ ٣٧) فرانس کی حدود سے نکل کر جب ذکیہ حمید سپین کی حدود میں داخل ہوئیں تو فضا میں جس اپنائیت کا احساس ہوا اس کے بارے میں لکھتی ہیں :

" بلندی سے آتی ٹھنڈی ہوائیں گدگدا رہی تھیں ۔ یہ اس قوم کی سانسوں کی مہک ہے جس پر صدیوں قدرت کے انعامات کی بارش ہوتی رہی ۔ صحرا سے ریت کے ذرے اڑے اور اسلام کی تجلیوں سے تابناک ہوئے ۔ ان کی روشنی سے زمانہ چمک گیا اور یہ ذرے ہوا نے ہر سو روشنی کے لئے بکھیر دئیے ۔ (ص : ٦٧ ـ ٦٨)

مصنفہ نے اگرچہ شہر کے باشندوں کے رہن سہن کا تذکرہ بھی کیا ہے لیکن انھیں رہ رہ کر یہ خیال آتا ہے کہ یہ ملک کبھی مسلمانوں کا تھا اور مسلمانوں نے اس خطے کو رشک جنت بنایا تھا لیکن اب وہاں مسلمانوں کا نام ونشان تک مٹا دیا گیا ہے ۔ سپین کا یہ مختصر سفرنامہ پڑھ کر ہم یہ محسوس کئے بغیر نہیں رہ سکتے کہ مصنفہ نے جس طرح دیگر ممالک کی سیاحت کی اور اس کا دلچسپ حال بیان کیا ہے ، اس طرح سپین کی سیاحت کا انھیں موقع نہیں مل سکا ۔ لہذا وہ اس کی مفصل روداد بھی سپرد قلم نہیں کر سکیں ورنہ سپین کے سفرناموں میں ایک اچھے سفرنامے کا اضافہ ہو سکتا تھا ۔

دیگر مختصر سفرنامے

,, میڈرڈ کی ایک شام ،، کے عنوان سے کیپٹن عابد ، پشاور کی ایک تحریر ماهنامه عصمت کراچی کے جوبلی نمبر ، جولائی ۱۹۵۸ء (ص ۱۵۳ ـ ۱۵۹) میں شائع هوئی جسے رساله کی فهرست مضامین میں افسانه بتایا گیا ہے جبکه یه سپین کے ایک شہر کا مختصر سفر نامه ہے برگیڈئیر گلزار احمد کا ایک مضمون ,, مسجد قرطبه کی عید ،، کے عنوان سے آفاق دسمبر ۱۹۵۱ء میں شائع هوا جس میں انهوں نے تاثراتی انداز میں عیدالفطر کی نماز ادا کرنے کا حال رقم کیا ہے ـ

اگرچه زیر نظر مضمون میں کوشش کی گئی ہے که اردو میں شائع شده سپین کے تمام مختصر یا مفصل سفرناموں کا تعارف پیش کیا جائے تاهم اس بات کا امکان ہے که اردو کے بعض اخبارات و رسائل میں شائع شده کوئی ایسا مضمون میری نظر سے اوجهل رها هو یا میرے علم میں نه آ سکا هو جس کا موضوع سپین کی سیاحت هو ـ

سپین کے سفرناموں کے طائرانه جائزے سے یه اندازه هوتا ہے که همارے سیاحوں کو سپین سے خاص دلچسپی رهی ہے ـ یه الگ بات ہے که مقصود سفر میں کم و بیش یکسانیت نهیں رهی ـ بعض سیاحوں کا مقصد اسلامی آثار کی موجوده حالت کا مشاهده تها اور بعض کے نزدیک سپین کی موجوده حالت اور اهل سپین پر مسلمانوں کے اثرات کا جائزه سفر سپین کی غرض و غایت قرار پایا بعض مسافروں نے مشاهدے سے زیاده تاریخ اندلس کے مطالعے پر توجه مرکوز کی البته ایسے سفرنامے بھی هیں جن میں سپین میں اسلام کی تجدید اور اسلامی تهذیب کے احیاء کی مساعی اور امکانات کا جائزه لینے کی کوشش کی گئی ـ بهرحال یه تمام سفرنامے کسی نه کسی پهلو

سے بہت مفید ھیں ، ان کی بدولت نہ صرف اردو ادب کا دامن مالا مال ھوا ہے بلکہ سپین کے اسلامی دور کے بارے میں آگاھی میں بھی اضافہ ھوا ہے ۔ ان سفرناموں کے مختصر تعارف سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ جو لوگ قبل ازیں کسی نہ کسی سلسلے میں سپین کا سفر کر چکے ھیں اور کسی وجہ سے اپنے مشاھدات وتاثرات قلمبند نہیں کر سکے وہ بھی مختصر یا مفصل سفرنامہ لکھنے پر آمادہ ھو سکیں گے اور یہ امید بھی پیدا ھوتی ہے کہ ھمارے اھل قلم جہاں دیگر یورپی ممالک کی سیاحت سے شاد کام ھوتے ھیں اور سفرنامے لکھتے ھیں وھاں سپین کو بھی لائق اعتنا خیال کریں گے اور اپنے مشاھدات سفر میں دوسروں کو بھی شریک کرنے کی کوشش کریں گے۔

مـــآخـــذ

(أ) کتب :

اشفاق احمد ، سفر مینا ، لاھور ، اپریل ۱۹۸۳ء ۔

ذکیہ حمید ارشد ، سورج کے ساتھ ساتھ ، کراچی ، مکتبہ ھمزبان، ستمبر ۱۹۸۸ء ۔

سعید اختر درانی ، اقبال یورپ میں ، لاھور ، اقبال اکادمی پاکستان ، ۱۹۸۵ء ۔

لین پول ، مسلمان اندلس میں ، (ترجمہ : منشی حامد علی صدیقی، ترتیب : ثناء الحق صدیقی) ، کراچی، ایچ ایم سعید کمپنی ، س ۔ ن ۔

محمد اقبال ، کلیات اقبال اردو ، لاھور ، شیخ غلام علی اینڈ سنز، مارچ ۱۹۸۲ء ۔

محمد حمزہ فاروقی، آج بھی اس دیس میں، ، کراچی ، مکتبہ اسلوب، ۱۹۸۲ء ۔

محمد حمید اللہ ، ڈاکٹر، خطبات بھاولپور ، اسلام آباد، ادارہ تحقیقات اسلامی، ۱۹۸۵ء ۔

محمد عمر علی خان ، نواب ، سفرنامہ اندلس مسمی بہ قند مغربی ، کانپور، مطبع نظامی ، جنوری ۱۹۱۵ء ۔

مستنصر حسین تارڑ ، اندلس میں اجنبی ، لاھور ، التحریر، ستمبر ۱۹۸۶ء ۔

ولی محمد، میر دبیر قاضی ، سفر نامہ اندلس ، لکھنؤ، نامی پریس، ۱۹۲۷ء ۔

(ب) رسـائل :

آفـاق ، دسمبر ۱۹۵۱ء

مجلہ اقبال ریویو ، لاھور، جولائی تا اکتوبر ۱۹۷۷ء

ماھنامہ اردو ڈائجسٹ ، لاھور ، جولائی ۱۹۸۸ء ، اگست ۱۹۸۸ء، دسمبر ۱۹۸۸ء

ماھنامہ عصمت ، کراچی ، جولائی ۱۹۵۸ء

★★★